ملت کا ترجمان

ماہنامہ

جام نور

دہلی

وسطیت اور اعتدال اہل سنت کا نشان امتیاز ہے

داعی اسلام شیخ ابو سعید صفوی کے دورۂ مصر کے موقعے پر علما و مشائخ ازہر کا اظہار خیال

March 2013

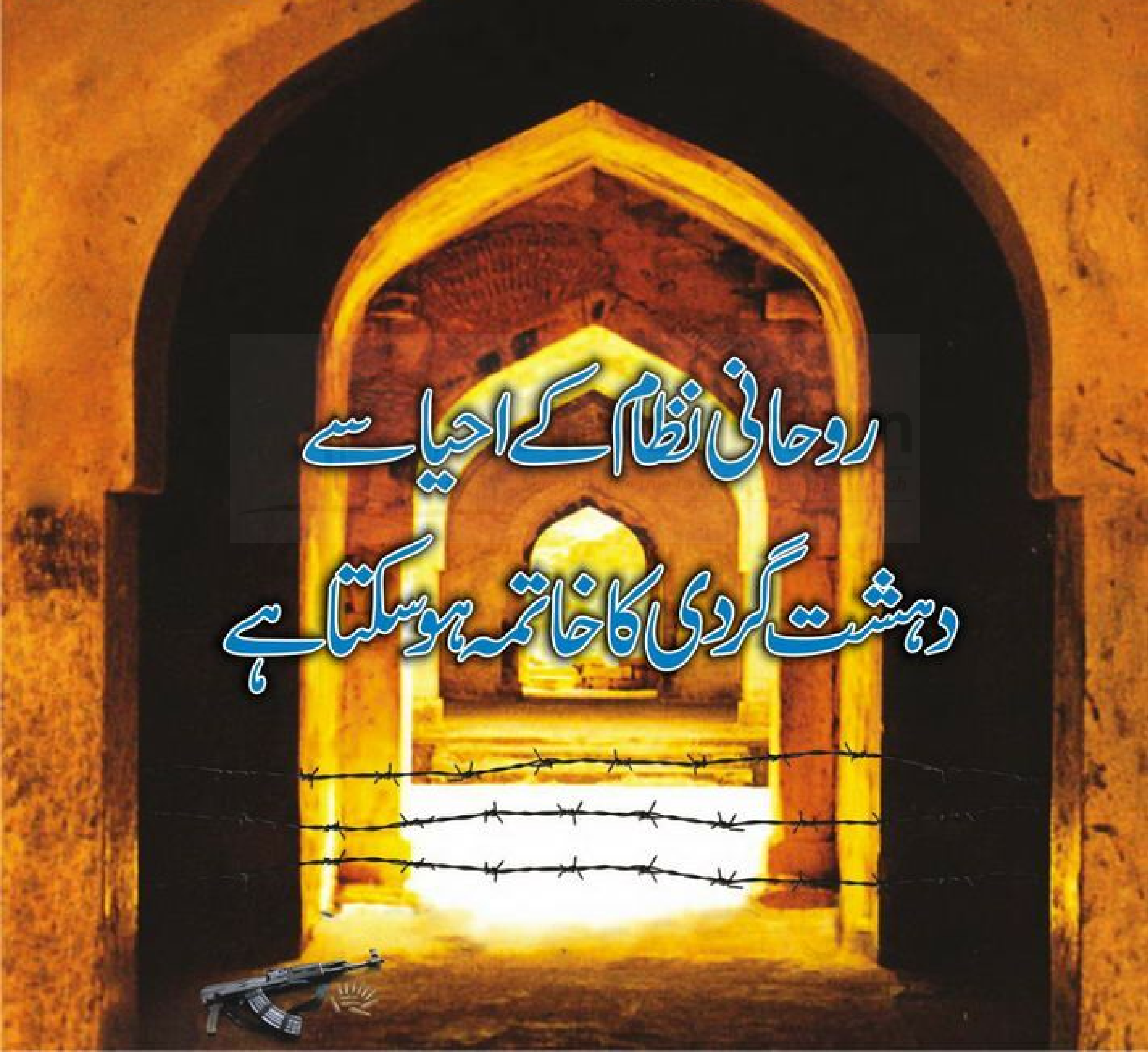

مشمولات

•اداریہ:	منت شناسی کا جبری تقاضا	خوشتر نورانی	7
•پس منظر و پیش منظر:	قصیدۂ بانت سعاد: ایک مطالعہ (دوسری اور آخری قسط)	اسید الحق محمد عاصم قادری	8
•حالات حاضرہ:	وسطیت اور اعتدال اہل سنت کا نشان امتیاز ہے	غلام مصطفیٰ ازہری	17
•فکر و نظر:	اظہار خیالات	قارئین کے تاثرات اور جائزے	22
•روبرو:	پروفیسر محمد مصطفیٰ شریف (عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد)	خوشتر نورانی	27
•جهان ادب:	حضرت آسی غازی پوری کی صوفیانہ شاعری	ابرار احمد مصباحی	31
•دیوان عام:	حضرت محبّ اللہ چشتی: علم و تصوف کا ایک حرف ربط	پروفیسر سید حسین الحق	38
•خصوصی گوشہ:			
	قطب المدار ایک نظر میں	ادارہ	42
	قطب المدار حضرت سید بدیع الدین احمد: حیات و شخصیت	سعید اختر پلاموی	43
	قطب المدار ۲۴۲ھ سے ۸۳۸ھ تک	سید مضطر علی حلبی	49
	قطب المدار کی دینی و دعوتی خدمات	سید نثار حسین	55
•پیمائش:	''اصنام شکن'' و شاکھا پٹنم کا ''علامہ ارشد القادری نمبر''	ابوحنان فیضی	59
	امام احمد رضا: ایک عالم گیر شخصیت/ مولانا کلیم رضا	ابرار احمد مصباحی	60
•خبریں:	ملی، ادبی، سیاسی اور مذہبی سرگرمیاں	ادارہ	62

جام نور اسلامی حدود کے اندر آزادی اظہار کا حامی ہے- اہل قلم کی آرا سے ادارے کا اتفاق ضروری نہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قطب المدار، شمس الافلاک، قطب الارشاد

حضرت سید بدیع الدین احمد مدار

ولادت:۲۴۲ھ/۸۵۶ء-وفات:۸۳۸ھ

کی دعوتی، اصلاحی اور تبلیغی خدمات کے نام

● جن کے تعلق سے حضرت مخدوم اشرف جہاں گیر سمنانی نے ''مرتبہ اویسیت'' اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ''مقام صمدیت'' کا پتا دیا-

● جن کے فیضان اور اس کی ضیابار کرنوں سے تصوف وطریقت کے تمام سلاسل اور خانقاہیں منور وتاباں ہیں-

● جنھوں نے بے شمار مشائخ کی تعلیم وتربیت کر کے مذہب وملت کے لیے یادگار تحفہ اور قیمتی سرمایہ پیش کیا-

● جن کے دامن رشد وہدایت سے جلیل القدر علما، صوفیہ اور مشائخ منسلک ہوئے اور بلند مرتبے پر فائز ہوئے-

ادارہ جام نور

قارئین کرام! پہلے اسے پڑھیے

(۱) کاغذ اور طباعت کی گرانی کے سبب جام نور کی سالانہ ممبر شپ میں اضافہ کیا جارہا ہے- جنوری ۲۰۱۳ء سے سالانہ ممبر شپ Rs.240/ روپے کردی گئی ہے- سالانہ ممبر بننے اور ممبر شپ کی تجدید (Renewal) کرانے کے لیے مطلوبہ رقم ہی ارسال کریں-

(۲) رسالہ پڑھنے سے قبل آپ کو بھیجے جانے والے رسالے میں اپنے ایڈریس کے اوپر ضرور دیکھ لیں، جہاں مثلاً اس طرح لکھا ہوا ہوتا ہے 3580/Jan-09-Dec-11 اس کا مطلب ہے 3580 آپ کا ممبر شپ نمبر ہے اور Jan-09-Dec-11 کا مطلب ہے جنوری ۲۰۰۹ء سے شروع ہو کر دسمبر ۲۰۱۱ء میں آپ کی ممبر شپ ختم ہوگئی ہے- ایسی صورت میں اپنی ممبر شپ کی بقایا رقم جوڑ کر براہ کرم مندرجہ ذیل اکاؤنٹ میں اپنی ممبر شپ کی فیس جمع کرادیں اور نیچے دیے گئے موبائل نمبر پر ادارے کو مطلع کریں، تا کہ آپ کی ممبر شپ کی تجدید کی جا سکے-

A/c No: 10177246529

A/c Name: Khushtar Noorani

State Bank of India, Baranch: Zakir Nagar, New Delhi-25

Mob: 09871094760

(۳) امام اہل سنت حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی حیات وخدمات پر پانچ سو صفحات پر ایک نہایت علمی وتحقیقی نمبر بنام "شیخ محدث نمبر" جلد ہی شائع ہونے جارہا ہے- جن حضرات کی ممبر شپ بقایا ہے، انھیں یہ نمبر ارسال نہیں کیا جائے گا-

(۴) تمام ممبروں سے گزارش ہے کہ وہ مذکورہ موبائل نمبر پر اپنا موبائل یا رابطے کا نمبر ضرور SMS کردیں- SMS میں اپنا نام، ممبر شپ نمبر اور صوبے کا نام ضرور لکھیں، تا کہ ادارہ آپ کو آپ کی ممبر شپ یا رسالے سے متعلق باتوں کی اطلاع دیتا رہے-

(۵) اگر آپ اپنی ممبر شپ کی تجدید کی رقم بینک میں نہیں ڈال سکتے تو ادارے کو مطلع کریں، آپ کی بقایا رقم کے ساتھ آپ کو رسالہ وی پی کردیا جائے گا-

(۶) تمام ممبروں کو ہر ماہ پابندی سے رسالہ بھیجا جاتا ہے، مگر ڈاک کی بدنظمی کی وجہ سے بعض ممبروں کو کچھ شمارے نہیں مل پاتے، اگر ایسا ہو تو ہندی یا انگریزی میں ایک شکایتی خط ادارے کے نام ارسال کریں یا ای میل کریں، تا کہ آپ کی تحریری شکایت ڈاک خانے تک پہنچائی جا سکے-

(۷) جس ایڈریس پر رسالہ جاری کروائیں، اگر وہاں سے آپ کا کہیں اور جانا ہو تو براہ کرم اپنا ایڈریس تبدیل کروادیں یا رسالہ بند کروادیں-

(۸) ادارے سے رابطے یا رسالے سے متعلق سوال یا اپنی شکایت درج کرانے کے لیے مذکورہ نمبر پر رابطہ کریں-

خوشتر نورانی

منت شناسی کا جبری تقاضا!

فروری ۲۰۱۳ء کے شمارے میں ''تحریک اسلاف شناسی'' کے تعلق سے ہم نے تفصیلی اداریہ لکھا تھا، جسے پڑھ کر بے شمار علما، مشائخ اور قارئین کے فون آئے، ایس ایم ایس آیا اور خطوط بھی موصول ہوئے۔ اہل سنت و جماعت کی جانب سے ''تحریک اسلاف شناسی'' کا اجتماعی استقبال اور اس پر اظہار خوشی، اس بات کا واضح اشاریہ ہے کہ جماعت کے باشعور اور تعلیم یافتہ طبقے کے ذہن وفکر میں اپنی اس غفلت کا شدت سے احساس تھا کہ پچھلی ایک صدی میں بے شمار جلیل القدر اور نمائندہ شخصیتوں، خانقاہوں، مشائخ اور علما کو فراموش کر کے ہم نے سواد اعظم سے اپنا تعلق کمزور کر لیا ہے۔

اس تحریک اور اس کی بین اقوامی سرگرمیوں کا انھیں جیسے ہی علم ہوا، انھیں لگا کہ اس تحریک کے ذریعے سواد اعظم سے ہمارا کمزور رشتہ پھر سے مضبوط ہوسکتا ہے ـــــ ان کا یہ احساس غلط بھی نہیں ہے، لیکن محض اس یقین کے ساتھ ان کی یہ آرزو پوری نہیں ہوسکتی، جب تک اجتماعی طور پر اسلاف شناسی کی جانب پیش قدمی نہیں کی جاتی، کیوں کے ایک صدی میں ہمارے اسلاف فراموشی کے عمل نے ملک گیر سطح پر اہل سنت کو متاثر کیا ہے، اس کی تلافی اسی وقت ممکن ہے جب ہمارے ادارے، خانقاہیں، اکیڈمیاں اور تنظیمیں ملک گیر سطح پر اپنی فراموش کردہ شخصیتوں کو یاد کریں، جنھوں نے اپنے اپنے زمانے میں تحریر وقلم، مناظرے ومباحثے، تدریس وتلقین اور وعظ وخطابت سے دین حنیف اور مسلک حق کا دفاع اور ان کی اشاعت وتبلیغ کا کام کیا۔ اسلام کے ظہور سے اب تک تقریباً چودہ سو برسوں میں دین اسلام اور مسلک حق اپنی تمام تر روحانیت اور اعتدال کے ساتھ ہم تک اسی طرح پہنچا ہے۔ کسی بھی زمانے میں اہل حق کا دستہ اگر اپنے فریضۂ دینی سے سبک دوش ہو کر بیٹھ گیا ہوتا تو ایسا ہونا ممکن نہیں تھا۔

اپنے اسلاف کو یاد کرنے کے مندرجہ ذیل ممکنہ طریقے ہوسکتے ہیں:

(۱) کسی بھی شخصیت کے نام سے منسوب جلسے، کانفرنس اور سیمینارز منعقد کرائے جائیں اور اس شخصیت کی حیات اور گراں قدر خدمات کو عوام وخواص ہر دو سطح پر اجاگر کیا جائے۔

(۲) مختلف رسائل وجرائد میں وقتاً فوقتاً ان پر مضامین لکھے جائیں، کتابچے اور کتابیں لکھی جائیں اور انھیں اہتمام سے شائع کیا جائے۔

(۳) مختلف شخصیات کی حیات اور خدمات پر رسائل کے خصوصی شمارے اور نمبرز شائع کیے جائیں۔

(۴) اسلاف کی کتابوں اور رسائل کو جدید ترتیب وتخریج کے ساتھ شائع کیا جائے اور انھیں ہندوستان کے اہم ادارے، لائبریریز اور مشاہیر تک پہنچانے کا اہتمام ہو۔

(۵) اسلاف کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ عربی وفارسی کتابوں اور رسائل کا اردو، ہندی، انگریزی اور دیگر زبانوں میں ترجمہ کر کے شائع کیا جائے۔

(۶) ان کے ناموں سے اکیڈمیاں، لائبریریز اور ادارے قائم کیے جائیں اور موجودہ اداروں کے مختلف شعبوں کو ان سے منسوب کیا جائے۔

(۷) اسلاف کے ناموں سے مختلف ویب سائٹس لانچ کی جائے اور ان کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تصانیف وتالیف کو اپ لوڈ کیا جائے۔

(۸) علاقے کی مشہور شخصیتوں کے ناموں سے سڑکیں، چوراہے اور عمارتیں منسوب کرانے کے لیے حکومتی سطح پر کوشش کی جائے۔

(۹) مختلف اسلاف کے وصال کی تاریخوں میں خصوصی پروگرام کا انعقاد کیا جائے۔

ان طریقوں سے ہم اپنا ذہنی وفکری رشتہ اپنے روشن ماضی سے استوار کر سکتے ہیں، جو سواد اعظم سے ہماری موروثی وابستگی کا ناقابل تردید ثبوت ہوں گی، اس طرح ہمارا دینی ومسلکی کینوس وسیع تر ہوتا چلا جائے گا۔ یاد رہے کہ دہائیوں کے بعد اہل سنت میں اجتماعی بیداری آئی ہے، اگر خاموش تماشائی بن کر ہم اس تحریک کا مشاہدہ کرتے رہے تو آنے والی نسلیں اس مجرمانہ غفلت کے لیے ہمیں کبھی معاف نہیں کریں گی۔ اس لیے دین ومسلک کے استحکام کے ساتھ منت شناسی کا تقاضا بھی ہے کہ ہر شخص خاص طور پر علما اس تحریک سے وابستگی کا اعلان کریں۔ □□□

اسید الحق محمد عاصم قادری☆

دوسری اور آخری قسط

شاعر دربار رسالت، صحابی جلیل حضرت کعب بن زہیر کا

قصیدۂ بانت سعاد: ایک مطالعہ

مولانا عاصم اقبال مجیدی (فاضل مدرسہ قادریہ بدایوں) نے قصیدۂ بانت سعاد کا اردو ترجمہ اور تشریح کی ہے، جس کو تاج الفحول اکیڈمی بدایوں نے شائع کیا ہے- زیر نظر مضمون مولانا اسید الحق قادری نے اسی کتاب کے لیے بطور مقدمہ سپرد قلم کیا تھا، مضمون نہایت تحقیقی اور علمی ہے، جو موضوع کے تمام ضروری گوشوں کا احاطہ کر رہا ہے، اس کی اسی اہمیت کے پیش نظر مولانا کی اجازت سے جام نور میں شائع کیا جا رہا ہے-

قصیدے کا موضوعاتی جائزہ: حضرت کعب کا قصیدۂ بانت سعاد زبان کی صفائی، ندرت خیال اور رفعت فکر کا ایسا نمونہ ہے کہ اس کو قدیم عرب شاعری کا مایہ ناز شاہکار قرار دیا گیا ہے-

یہ بنیادی طور پر نعتیہ قصیدہ ہے، کیوں کہ اس کو نظم کرنے کا اصل مقصد ہی حضور اکرم ﷺ کو راضی کرنا اور آپ سے عفو و درگزر کی درخواست تھی- لیکن قدیم عربی شعرا کے طرز پر اس کا آغاز تشبیب یا نسیب سے کیا گیا ہے، اس کے بعد گریز کر کے مدح کی طرف آتے ہیں، حضور سے عفو و درگزر کی درخواست کرتے ہیں اور پھر کچھ اشعار حضور اکرم ﷺ کے جاں نثار مہاجرین صحابہ کی شان میں نظم کرتے ہیں-

موضوعاتی اعتبار سے اس قصیدے کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

الف: تشبیب

ب: حضور اکرم ﷺ کی مدح اور طلب عفو

ج: مہاجرین کی مدح و ثنا

قصیدے کا آغاز محبوبہ کی جدائی کے ذکر سے ہوتا ہے، پھر شعر نمبر ۶ تک محبوبہ سعاد کے حسن و جمال کا تذکرہ ہے- شعر نمبر ۷ سے ۱۲ تک محبوبہ کی بے وفائی، وعدہ خلافی اور عہد شکنی وغیرہ کا شکوہ کیا گیا ہے- قدیم عرب میں عرقوب نام کا شخص بہت زیادہ وعدہ خلاف تھا، اس کا نام وعدہ خلافی اور عہد شکنی کے لیے بطور استعارہ استعمال ہونے لگا- شاعر کو اپنی محبوبہ کی وعدہ خلافی دیکھ کر عرقوب کی یاد آتی ہے، کہتے ہیں:

"عرقوب کے وعدے اس (محبوبہ) کے لیے مثال اور نمونہ ہو گئے، اس کے تمام وعدے جھوٹ اور فریب کے سوا کچھ نہیں ہیں-" (مفہوم شعر: ۱۲)

۱۴ ویں شعر سے ایک نیا مضمون شروع ہوتا ہے- کہتے ہیں کہ "میری محبوبہ سعاد مجھے چھوڑ کر بہت دور دراز مقام پر چلی گئی، ایسا مقام جہاں سوائے تیز رفتار اونٹنی کے اور کوئی نہیں پہنچا سکتا- اب وہ اونٹنی کتنی تیز رفتار ہو یہ بات ۱۴ ویں سے ۳۴ ویں تک ۲۱ اشعار میں مختلف تشبیہات و استعارات کے ذریعے بیان کی گئی ہے-

اونٹنی کے وصف کے لیے شاعر نے جو طرز اختیار کی ہے ناقدین کے بقول اس میں انہوں نے مشہور جاہلی شاعر طرفہ بن العبد البکری کے قصیدۂ دالیہ کی پیروی کی ہے، طرفہ نے اپنے اس قصیدے میں ۳۵ اشعار میں اونٹنی کی تعریف کی تھی، طرفہ کا یہ قصیدہ اس کی قادر الکلامی اور فکری بلند پروازی کی بہترین مثال ہے-

حضرت کعب نے ان ۲۱ اشعار میں اونٹنی کی تعریف کے لیے جو تشبیہات و استعارات استعمال کی ہیں انہوں نے اس قصیدے کو عربی زبان کا ایک شاہکار بنا دیا ہے-

اونٹنی کا وصف بیان کر کے ۳۵ ویں شعر سے گریز کرتے ہوئے اپنے مقصود کی طرف آتے ہیں، فرماتے ہیں:

"اس کے باوجود بھی (کہ وہ اتنی دور چلی گئی کہ تیز رفتار اونٹنیوں کے علاوہ اس تک مجھے کوئی نہیں پہنچا سکتا) چغل خور لوگ سعاد کے ارد گرد یا اس اونٹنی کے ارد گرد یہ کہتے ہوئے دوڑے کہ اے ابن ابی سلمیٰ تو ضرور قتل کیا جانے والا ہے-" (مفہوم شعر: ۳۵)

جب شاعر کو معلوم ہوا کہ اس کے قتل کا اعلان کر دیا گیا ہے تو اس نے اپنی مدد اور اعانت کے لیے اپنے تمام دوستوں کو یکے بعد دیگرے بلایا مگر تمام دوستوں نے ایسے نازک موقع پر شاعر کا ساتھ چھوڑ دیا یا اپنی مصروفیت کا بہانہ کر دیا، فرماتے ہیں:

"جس جس دوست سے مَیں (حمایت و نصرت کی) امید رکھتا تھا، اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ مَیں تجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا،

NafseIslam

مَیں اپنے ہی معاملات میں گھرا ہوا ہوں-" (مفہوم شعر:۳۶)

آخر مایوس ہوکر شاعر نے کہا کہ:

"مجھے میرے حال پر چھوڑ دو، اب جو بھی مقدر میں لکھا ہے وہ ہونا ہے اور جو بھی انسان دنیا میں آیا ہے اسے ایک نہ ایک دن اس دنیا سے جانا ہے-" (مفہوم شعر:۳۷، ۳۸)

اگرچہ رسول اللہ نے میرے قتل کا اعلان فرما دیا ہے، مگر مجھے اس بارگاہ سے عفو ودرگزر کی امید ہے:

أُنْبِئْتُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ أَوْعَدَنِي
وَالْعَفْوُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ مَأْمُوْلُ

(ترجمہ: مجھے بتایا گیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے میری موت کا فرمان جاری فرما دیا ہے، لیکن اللہ کے رسول کی بارگاہ میں عفو ودرگزر کی امید کی جاتی ہے-)

اب ۴۰/ویں شعر میں حضور اکرم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ:

"یارسول اللہ ﷺ مجھے اپنی صفائی کی مہلت عطا فرمائیں، محض چغل خوروں کے کہنے پر میرا مواخذہ نہ کریں، اگرچہ میرے بارے میں بہت افواہیں پھیلی ہوئی ہیں، مگر مَیں نے ایسا جرم نہیں کیا جو گردن زدنی ہو-" (مفہوم شعر: ۴۰/۴۱)

پھر حضور اکرم ﷺ کی مبارک محفل میں ظاہر ہونے والے وقار و ہیبت اور رعب وجلال کا تذکرہ کرتے ہیں-

شعر نمبر ۴۵/۴۶/۴۷ میں فرماتے ہیں کہ ایک طرف تو معاملہ یہ ہے کہ میرے بارے میں لوگ کہہ رہے ہیں کہ تمہاری جانب بہت سی باتیں منسوب ہیں اور تمہیں ان کا جواب دینا ہے، مگر دوسری طرف میرا یہ حال ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوا ہوں تو آپ کا رعب وجلال اور ہیبت و دبدبہ اس طاقت ور اور ذی ہیبت شیر سے کہیں زیادہ معلوم ہو رہا ہے جو جھاڑیوں میں چھپا بیٹھا ہو- اس کے بعد شعر نمبر ۵۰/ تک اس شیر کی بہادری، جرأت، دلیری اور طاقت کو مختلف انداز میں بیان کیا ہے- شعر نمبر ۵۱/ میں براہ راست حضور اکرم ﷺ کی مدح کی طرف آتے ہوئے فرماتے ہیں:

إِنَّ الرَّسُوْلَ لَسَيْفٌ يُسْتَضَاءُ بِهِ
مُهَنَّدٌ مِنْ سُيُوْفِ اللّٰهِ مَسْلُوْلُ

(ترجمہ: بے شک اللہ کے رسول ایک ایسی تلوار ہیں کہ جن سے راہ حق کی روشنی حاصل کی جاتی ہے اور آپ ﷺ اللہ کی تلواروں میں ایک عمدہ نیام سے نکلی ہوئی ہندی تلوار ہیں)

پھر شعر نمبر ۵۲/ سے حضور اکرم ﷺ کے جاں نثار صحابہ مہاجرین کی مدح فرماتے ہیں، مدح صحابہ ۶/ شعروں پر مشتمل ہے، جس میں ان کی بہادری، پامردی، شجاعت اور دلیری کو بڑے بلیغ اسلوب میں بیان کیا ہے- ۵۸/ویں شعر میں مدح صحابہ کے اس شعر پر قصیدہ اپنے اختتام کو پہنچتا ہے:

لَا يَقَعُ الطَّعْنُ إِلَّا فِي نُحُوْرِهِمُ
وَمَا لَهُمْ عَنْ حِيَاضِ الْمَوْتِ تَهْلِيْلُ

(ترجمہ: وہ صحابہ ایسے ہیں کہ دشمنوں کی برچھیوں کے زخم ان کے سینوں پر ہی لگتے ہیں اور موت کے کنوؤں میں چھلانگ لگانے سے پیچھے نہیں ہٹتے)

قصیدۂ بانت سعاد کی اہمیت اور خصوصیت: قصیدۂ بانت سعاد کئی جہتوں سے بعض ایسے امتیازات کا حامل ہے جن کی وجہ سے اس کو قبول عام حاصل ہوا- مثال کے طور پر چند امور کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

الف: اس قصیدے میں حضور اکرم ﷺ سے عفو ودرگزر کی التجا کی گئی تھی، اس التجا کو شرف قبول حاصل ہوا اور حضرت کعب کی تمام تقصیرات سے درگزر کر دیا گیا-

ب: یہ قصیدہ مسجد نبوی میں حضور اکرم ﷺ کے روبرو اور مہاجرین وانصار کے مجمع میں پیش کیا گیا-

ج: حضور اکرم ﷺ نے اس کو پسند فرمایا-

د: بعض روایات کے مطابق حضور اکرم ﷺ نے اس کو سماعت فرما کر اپنی چادر مبارک حضرت کعب کو عطا فرمائی-

ھ: عربی زبان وادب کے لحاظ سے یہ ایک اعلیٰ پایے کا قصیدہ ہے، بالخصوص اس میں اونٹنی کے وصف کے لیے جو تشبیہات استعمال کی گئی ہیں وہ فنی اور بلاغی نقطۂ نظر سے اس قصیدے کو ایک شاہکار بنا دیتی ہیں-

یہی وہ اسباب ہیں جن کی وجہ سے یہ قصیدہ قدیم زمانے سے اہل علم وادب اور صاحبان دل کے لیے مرکز توجہ بنا ہوا ہے-

قصیدۂ بانت سعاد کی مقبولیت کی ایک مختلف جہت: احمد بن محمد المقری التلمسانی نے 'نفح الطیب عن غصن الاندلس الرطیب'

میں ابوجعفر الالیری کا ایک قول نقل کیا ہے جس سے اس قصیدے کی اہمیت ووقعت کا ایک مختلف رخ سامنے آتا ہے- ابوجعفر الالیری کہتے ہیں:

حدثني بعض شيوخنا بالأسكندرية باسناده أن بعض العلماء كان لا يستفتح مجلسه الا بقصيدة كعب فقيل له في ذلك فقال رأيت رسول الله ﷺ فقلت يا رسول الله ﷺ قصيدة كعب أنشدها بين يديك فقال نعم وأنا أحبها وأحب من يحبها قال فعاهدت الله أني لا أخلو من قراء تها كل يوم[۳۹]

(ترجمہ: اسکندریہ میں ہمارے بعض شیوخ نے ہم سے بیان کیا کہ بعض علما اپنی ہر مجلس کا آغاز حضرت کعب کے قصیدے سے کرتے تھے، جب ان سے اس بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ مَیں نے رسول اللہ ﷺ کو (خواب میں) دیکھا تو مَیں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! کعب نے اپنا قصیدہ آپ کے روبرو پیش کیا تھا؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں، اور مَیں اس قصیدے کو پسند کرتا ہوں اور جو اسے پسند کرے اس کو بھی پسند کرتا ہوں- فرماتے ہیں کہ اسی دن سے مَیں نے عہد کرلیا کہ روزانہ اس کو پڑھا کروں گا)

حلقۂ علم وادب میں قصیدۂ بانت سعاد کی مقبولیت: یہ قصیدہ اپنی مذکورہ خصوصیات کی وجہ سے ابتدا ہی سے علما، ادبا اور ناقدین کا مرکز توجہ رہا ہے، جس کے نتیجے میں علما نے اس کے ساتھ خاص اعتنا کیا ہے، مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے کیے گئے، اس کی شرحیں کی گئیں، اس پر حواشی لکھے گئے- پھر ترجمے بھی نظم اور نثر دونوں میں کیے گئے، شعرا نے اس کے مصرعوں پر مصرعے لگائے، اس کی تخمیس کی اور اسی زمین وقافیے میں الگ قصیدے کہے- یہ سارے امور علمی اور ادبی حلقوں میں اس قصیدے کی مقبولیت، شہرت اور وقعت کی طرف اشارہ کرتے ہیں-

اہل علم وادب نے اس سلسلے میں جو کاوشیں کی ہیں، ذیل میں ہم ان کا مختصر تعارف پیش کریں گے-

شروح قصیدۂ بانت سعاد: حاجی خلیفہ نے 'کشف الظنون' میں اس کی ۱۱ رشروح کا ذکر کیا ہے، [۴۰] کارل بروکلمین نے 'تاریخ الادب العربی' میں یہ تعداد ۳۵ رتک پہنچادی ہے- [۴۱]

ان شارحین میں ابن درید (وفات: ۳۲۱ھ/ ۹۳۳ء) خطیب تبریزی (وفات: ۵۰۲ھ/ ۹-۱۱۰۸ء) ابن ہشام انصاری (وفات: ۷۶۱ھ/ ۱۳۶۰ء) مجد الدین فیروزآبادی (وفات: ۸۱۷ھ/ ۱۴۱۴ء) جلال الدین محلی (وفات: ۸۶۴ھ/ ۱۴۵۹ء) امام جلال الدین سیوطی (وفات: ۹۱۱ھ/ ۱۵۰۵ء) حافظ ابن حجر مکی (وفات: ۹۷۳ھ/ ۱۵۶۵ء) ملا علی قاری (وفات: ۱۰۱۴ھ/ ۱۶۰۶ء) اور شیخ الازہر علامہ ابراہیم باجوری (وفات: ۱۲۷۷ھ/ ۱۸۶۱ء) جیسے ادبا، ارباب لغت، محدثین، فقہا اور صوفیہ شامل ہیں-

ان میں خصوصیت کے ساتھ مندرجہ ذیل تین شرحیں زیادہ مقبول ومتداول ہیں:

(۱) شرح بانت سعاد خطیب تبریزی: ابوبکر زکریا یحییٰ بن علی بن الخطیب تبریزی (ولادت: ۴۲۱ھ/ ۱۰۳۰ء- وفات: ۵۰۲ھ/ ۹-۱۱۰۸ء) ادیب، لغوی، شاعر اور عربی زبان وادب کے رمز شناس کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں، انہوں نے عربی زبان وادب کی تحصیل ابوالعلامعری جیسے اساطین ادب سے کی، ایک زمانے تک مدرسہ نظامیہ بغداد میں ادب عربی کی تدریس پر مامور رہے، قصیدۂ بانت سعاد کے علاوہ انہوں نے معلقات، حماسہ اور دیوان ابی تمام کی بھی شرح کی ہے جو معروف و مطبوع ہیں-

شرح بانت سعاد میں تبریزی نے اختصار سے کام لیا ہے، عام طور پر مفردات کا معنی بیان کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں، بعض جگہ مفردات کی تشریح وتوضیح کے بعد شعر کا مجموعی معنی بھی بیان کرتے ہیں، مفردات کے معنی کی تعیین کے لیے دوسرے شعرا کے اشعار بطور استشہاد پیش کرتے ہیں- شرح کے آغاز میں حضرت کعب بن زہیر کے اسلام لانے اور حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر قصیدہ سنانے کا پورا واقعہ اپنی سند سے بیان کرتے ہیں- ان کی سند درج ذیل ہے:

اخبرنا ابو محمد بن الحسن بن علي بن محمد بن الحسن الجوهري ،قال حدثنا ابو عمر محمد بن العباس بن زكريا بن حيويه الخزاز ،قال حدثنا ابو بكر محمد بن القاسم الانباری ،قال حدثنی ابی (القاسم الانباری)،قال حدثنا عبدالله بن عمرو ،قال حدثنا ابراهيم بن المنذر الحزامی ،قال حدثنا الحجاج بن ذی الرقيبة بن عبدالرحمن بن كعب بن زهير بن ابی سلمی المزنی عن ابيه عن جده قال خرج كعب وبجيراً الخ[۴۲]

ہمارے پیش نظر جو نسخہ ہے وہ ڈاکٹر عبدالرحیم یوسف الجمل کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ مکتبۃ الآداب قاہرہ سے ۲۰۰۳ء میں شائع ہوا ہے-

(۲) شرح بانت سعاد ابن ہشام انصاری: جمال الدین ابو محمد عبد اللہ بن یوسف معروف بہ ابن ہشام انصاری (ولادت: ۷۰۸ھ / ۱۳۰۹ء- وفات: ۷۶۱ھ/ ۱۳۶۰ء) علم نحو، معانی وبیان، عروض وقوافی اور علم فقہ میں مہارت اور رسوخ کی وجہ سے علمی حلقوں میں معروف ہیں- کم وبیش ۴۰ر علمی وتحقیقی کتابوں کے مصنف ہیں جن میں مختصر رسائل سے لے کر التذکرۃ (۱۵ جلد) اور رفع الخصاصہ (۴ جلد) جیسی ضخیم کتابیں بھی شامل ہیں- آپ کی تصانیف میں قطر الندی، مغنی اللبیب اور اوضح المسالک محتاج تعارف نہیں ہیں-

ابن ہشام نے قصیدۂ بانت سعاد کی عمدہ شرح کی ہے، جو شروح بانت سعاد میں مقبولیت اور شہرت کے سلسلے میں ایک خاص مقام رکھتی ہے-

شرح کے آغاز میں بطور تمہید دو فصلیں ذکر کی ہیں، پہلی فصل میں قصیدے کا پس منظر اور اس کے متعلقات کا بیان ہے، دوسری فصل میں فن عروض وقوافی کی جہت سے قصیدے کا جائزہ لیا ہے- اس کے بعد شرح کا آغاز کرتے ہیں- لغت، بلاغت اور نحو وصرف شارح کا اصل میدان ہے لہٰذا شرح میں بھی انہوں نے اس زاویے سے تحقیقی مباحث پیش کیے ہیں-

ابن ہشام کی شرح بانت سعاد آج بھی شائع ہوتی ہے اور عام طور سے دستیاب ہے، کتب خانہ قادریہ میں جو نسخہ ہے وہ احمد البابی الحلبی کے زیر اہتمام مصر سے ۱۳۰۷ھ میں شائع ہوا ہے، اس کے حاشیے پر شیخ ابراہیم باجوری کی شرح بانت سعاد ہے، جس کا تذکرہ آگے آرہا ہے-

(۳) شرح بانت سعاد شیخ ابراہیم باجوری: شیخ ابراہیم بن محمد بن احمد الباجوری (ولادت: ۱۱۹۸ھ/ ۱۷۸۴ء- وفات: ۱۲۷۷ھ/ ۶۱-۱۸۶۰ء) اپنے زمانے کے علما میں ممتاز تھے، ساتھ ہی سلوک وتصوف کے شناور اور صاحب حال صوفی تھے، شیخ الجامع الازہر کے منصب پر فائز ہوئے، تصانیف میں **تحفۃ البشر علی مولد ابن حجر، التحفۃ الخیریۃ علی الفوائد الشنشوریۃ، تحفۃ المرید علی جوہرۃ التوحید**، حاشیہ شمائل ترمذی وغیرہ قابل ذکر ہیں-

آپ کی شرح بانت سعاد علمی حلقوں میں معروف ومتداول ہے، شرح کا نام "الاسعاد علی بانت سعاد" ہے، آپ نے سابق الذکر شرح ابن ہشام سے بھر پور استفادہ کیا ہے، اس پر آپ کی اپنی تحقیقات مستزاد، جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ آپ راہ تصوف وسلوک کے بھی رمز شناس تھے اس لیے آپ کی شرح میں تصوف وعرفان کے رموز واسرار بھی جا بجا نظر آتے ہیں-

ہندوستانی شارحین: قصیدۂ بانت سعاد کی گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے علمائے ہند نے بھی اس کی جانب خاص اعتنا کیا ہے، عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں اس کی شرح اور فارسی واردو میں منثور ومنظوم ترجمہ کر کے اپنے حب رسول اور ذوق عربیت کا ثبوت دیا ہے-

علمائے ہند کی جو شروح اب تک ہمارے علم واطلاع میں آئی ہیں، ان کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے:

(۱) سرور العباد شرح قصیدہ بانت سعاد: یہ مولانا عبدالحافظ محمد نذیر رامپوری کی تالیف ہے، اس پر مولانا محمد یعقوب محب اللہی الہ آبادی، مولانا محمد معین، مولانا محمد لطف الرحمٰن اور مولانا محمد سعد الدین کی تقریظات ہیں، اول الذکر دو حضرات نے فارسی میں اور آخر الذکر حضرات نے عربی میں تقریظ قلم بند کی ہے- آخر میں مولوی باسط علی کا قطعہ تاریخ تصنیف ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ۱۲۹۰ھ میں تصنیف کی گئی ہے-

یہ شرح فارسی میں ہے، اس میں شارح نے حل لغات اور نحوی وصرفی تشریح پر زیادہ توجہ مرکوز کی ہے، آخر میں "حاصل" کے عنوان سے شعر کے عمومی مفہوم کی طرف اشارہ کرتے ہیں-

کاملی تخلص کے کسی فارسی شاعر نے قصیدۂ بانت سعاد کا منظوم فارسی ترجمہ کیا ہے، ترجمے سے پہلے ۷۶ر اشعار میں بطور تمہید قصیدہ نظم کرنے کا پس منظر بھی بیان کیا ہے- مولانا نذیر رامپوری نے اپنی شرح میں اس منظوم ترجمے کو بھی شامل کرلیا ہے- شرح کی ترتیب کچھ یوں ہے کہ پہلے شارح نے بطور تمہید قصیدے کے پس منظر اور اس کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے، پھر کاملی کی منظوم تمہید نقل کی ہے جو ۷۶ر اشعار پر مشتمل ہے- اس کے بعد قصیدے کی شرح کی طرف آتے ہیں، قصیدے کا شعر نقل کر کے اس کے نیچے کاملی کا منظوم ترجمہ نقل کیا ہے، یہ ترجمہ کہیں ایک شعر ہی میں مکمل ہوگیا ہے اور کہیں ایک سے زیادہ اشعار کا سہارا لینا پڑا ہے- اس کے بعد مولانا رامپوری اس شعر کی شرح فرماتے ہیں-

کتب خانہ قادریہ بدایوں میں اس کا جو نسخہ موجود ہے وہ مطبع نول

کشور لکھنؤ سے ربیع الاول ۱۲۹۲ھ/ اپریل ۱۸۷۵ء میں طبع ہوا ہے۔

بروکلمین کی 'تاریخ الادب العربی' (مترجم) میں شارح کا نام ''عبد الحفیظ محمد ناصر'' درج ہے [۴۳] غالباً بروکلمین نے انگلش میں 'عبد الحافظ محمد نذیر' ہی لکھا ہوگا مگر انگلش سے عربی میں ترجمے کے وقت مترجم نے حافظ کو حفیظ اور نذیر کو ناصر سمجھ لیا۔

(۲) سلوۃ الفواد فی شرح بانت سعاد: مولانا سلطان حسن عثمانی بریلوی صدر الصدور (م: ۱۲۹۸ھ) ابن مولانا محمد حسن بریلوی بدایوں کے مشہور خاندان شیوخ عثمانیہ کے چشم و چراغ تھے، آپ کے دادا مفتی ابوالحسن عثمانی بدایونی مفتی عدالت محکمہ افتا بریلی ہو کر صدر الصدور کے عہدے تک پہنچے اور بدایوں سے ترک سکونت اختیار کر کے مستقل بریلی میں قیام پذیر ہو گئے تھے۔ استاذ مطلق علامہ فضل حق خیر آبادی کے ارشد تلامذہ میں تھے، مولانا ضیاء القادری لکھتے ہیں:

''جملہ علوم وفنون میں دستگاہ کامل رکھتے تھے، استاذ مطلق حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی کے مشہور تلامذہ میں تھے، جلیل القدر عہدوں پر مامور رہے، صدر الصدوری سے پنشن پائی۔'' [۴۴]

جب مفتی سعد اللہ مراد آبادی نے علامہ فضل حق خیر آبادی کی بعض تصانیف پر تنقید کی تو مولانا سلطان حسن بریلوی نے ان کا تعاقب کیا۔ [۴۵]

مولانا سلطان حسن بریلوی نے 'سلوۃ الفواد فی شرح بانت سعاد' کے نام سے فارسی زبان میں شرح کی ہے، اس میں مولانا نے غیر ضروری تطویل سے گریز کرتے ہوئے صرف ضروری باتوں کے بیان پر اکتفا کیا ہے، اس اختصار کے باوجود اشعار کے معانی ومفاہیم تک رسائی کے لیے یہ ایک عمدہ شرح ہے۔ مصنف کا طریقہ یہ ہے کہ وہ پہلے ''اللغۃ'' کے عنوان سے مفردات کی لغوی تشریح کرتے ہیں، پھر ''الاعراب'' کے عنوان سے شعر کی نحوی ترکیب کی وضاحت کرتے ہیں، اس باب میں انہوں نے قدرے تفصیل سے کام لیا ہے، ایک ایک شعر کی کئی کئی تراکیب ذکر کی ہیں، پھر ''تقطیع'' کا عنوان دے کر شعر کی عروضی حیثیت پر روشنی ڈالتے ہیں، آخر میں ''المعنی'' کے عنوان سے شعر کا معنی ومفہوم بیان کرتے ہیں۔

کتب خانہ قادریہ بدایوں میں اس کا ایک نایاب نسخہ موجود ہے، یہ مطبع الٰہی آگرہ سے متوسط تقطیع کے ۵۶ صفحات پر شائع ہوا ہے، یہ غالباً کتاب کی پہلی اور آخری اشاعت ہے، سنہ طبع درج نہیں ہے، قیاس ہے کہ یہ ۱۲۹۰ھ اور ۱۳۰۰ھ کے درمیان کی طباعت ہے۔

(۳) الجوہر الوقاد فی شرح بانت سعاد: علامہ احمد بن محمد شیروانی یمنی مصنف نفحات الیمن (ولادت ۱۲۰۰ھ/ وفات: نامعلوم) اصلاً یمنی ہیں مگر ہندوستان تشریف لائے تو یہیں کے ہو رہے، صاحب نزہۃ الخواطر نے ان کی تصانیف کے ذیل میں شرح مذکور بالا کا ذکر کیا ہے۔ [۴۶]

(۴) شرح بانت سعاد از مولانا اوحد الدین بلگرامی: مولانا اوحد الدین بلگرامی علامہ احمد شیروانی یمنی کے شاگرد ہیں، سنہ ولادت و وفات معلوم نہ ہو سکا، تذکرۂ علمائے ہند کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ رجب ۱۲۵۳ھ/ ۱۸۳۷ء تک باحیات تھے۔ عربی ادب و انشا کا خاص ذوق رکھتے تھے، نفائس اللغات، روضۃ الازھار، مفتاح اللسان، تذکرۂ شعرائے عرب، شرح دیوان متنبی اور شرح مقامات حریری قابل ذکر تصانیف ہیں۔ ڈاکٹر ایوب قادری نے آپ کی تصانیف کے ذیل میں شرح قصیدۂ بانت سعاد کا ذکر کیا ہے۔ [۴۷]

(۵) مصدق الفضل قاضی شہاب الدین دولت آبادی: قاضی شہاب الدین بن شمس الدین عمر الزاولی دولت آبادی ثم جون پوری (وفات ۸۴۹ھ/ ۱۴۴۵ء) کا نام علمی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں ہے، تفسیر میں بحر مواج (فارسی) نحو میں حاشیہ کافیہ اور ارشاد، بلاغت میں بدائع البیان، اصول فقہ میں شرح اصول بزدوی اور فتاویٰ ابراہیم شاہی معروف ہیں۔ [۴۸]

آپ نے مُصَدِّقُ الفَضْل کے نام سے عربی میں قصیدہ بانت سعاد کی شرح کی ہے، یہ ایک جامع اور مبسوط شرح ہے۔ آغاز میں آپ نے بطور مقدمہ قصیدے کا پس منظر بیان کیا ہے۔ شرح کا طریقہ یہ ہے کہ آپ شعر نقل کرنے کے بعد مختلف ذیلی عناوین مثلاً لغت، صرف، نحو، معانی، بیان، بدیع، عروض وغیرہ کے تحت شعر کی تشریح کرتے ہیں، آخر میں 'الحاصل' کا عنوان دے کر شعر کا عمومی مفہوم بیان کرتے ہیں۔

بروکلمین کے مطابق یہ شرح ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء میں حیدر آباد سے شائع ہوئی تھی [۴۹] اب ایک صدی بعد مجلس البرکات (الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور) کے زیر اہتمام ۱۴۲۴ھ/ ۲۰۰۳ء میں اس کی اشاعت جدید عمل میں آئی ہے۔ علامہ محمد احمد مصباحی (صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور) نے نہایت عرق ریزی اور باریک بینی سے

اس کی تصحیح وترتیب کی ہے، ابتدا میں مقدمے کے طور پر مولانا نفیس احمد مصباحی (استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور) نے عربی زبان میں تعارف مصنف تحریر کیا ہے، جو اختصار کے باوجود جامع ہے-

(۶) شرح قصیدۂ بانت سعاد از مولانا محمد عابد لاہوری: مولانا محمد عابد لاہوری (وفات: ۱۱۶۰ھ/ ۴۷-۱۷۴۷ء) فقیہ، مفسر اور نہایت عابد وزاہد تھے، لاہور سے پیدل حرمین شریفین کا سفر کیا اور حج بیت اللہ کی سعادت سے مشرف ہوئے، آپ کی تصانیف میں حاشیہ تفسیر بیضاوی، شرح خلاصہ کیدانی، رسالہ وجوہ اعجاز القرآن، **رسالة فی الاربعة الاحتیا طیة بعد صلوٰة الجمعة ، العشرة المبشرة فی فضائل الامة المــرحومة** قابل ذکر ہیں- آپ کی تصانیف کے ذیل میں شرح قصیدۂ بانت سعاد کا ذکر بھی کیا گیا ہے، تفصیلات معلوم نہ ہو سکیں [۵۰]

(۷) کافل الاسعاد: مولوی نجف علی خاں جھجری: مولوی نجف علی خاں بن قاضی محمد عظیم الدین (۱۲۹۹ھ/ ۱۸۸۱ء) اپنے زمانے کے نامی گرامی فاضل تھے، یمین الدولہ وزیر الملک محمد علی خاں بہادر فرمار وائے محمد آباد ٹونک کے یہاں ملازم تھے، صاحب تصانیف کثیرہ تھے، جن میں تکملہ صولت فاروقی (بحر متقارب میں پچاس ہزار سے زیادہ اشعار) بحر الکلام (عربی میں غیر منقوطہ عبارت میں مقامات حریری کی شرح) شرح دیوان متنبی، شرح دیوان حماسہ اور حاشیہ مطول وغیرہ قابل ذکر ہیں-[۵۱] صاحب نزہۃ الخواطر کے بقول ''لغت، انشا، شعر اور تمام علوم ادبیہ پر ید طولیٰ رکھتے تھے-'' [۵۲]

والی ٹونک محمد علی خاں کے حکم سے ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء میں آپ نے 'کافل الاسعاد' کے نام سے قصیدۂ بانت سعاد کی شرح لکھی تھی- [۵۳]

(۸) شرح بانت سعاد مفتی الٰہی بخش کاندھلوی: مفتی الٰہی بخش کاندھلوی (ولادت: ۱۱۶۲ھ/ ۴۹-۱۸۴۸ء- وفات: ۱۲۴۵ھ/ ۱۸۲۹ء) تیرہویں صدی ہجری کے بلند پایہ عالم، محدث، ادیب، شاعر، صوفی اور مصنف و مدرس تھے، شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے ارشد تلامذہ میں ہیں، عربی، فارسی، اردو میں ۱۰۰ ر سے زیادہ کتابوں کے مصنف، شارح اور مترجم ہیں-

آپ نے عربی میں بانت سعاد کی شرح کی ہے، یہ شرح بعض پہلوؤں سے ایک ممتاز اور منفرد شرح ہے، نور الحسن راشد کاندھلوی لکھتے ہیں: ''مفتی صاحب نے اس (قصیدۂ بانت سعاد) کی عربی میں نہایت عمدہ شرح لکھی ہے، جس میں اپنی جامعیت کا کمال دکھایا ہے- شرح کے علاوہ اس کا امتیاز اور انفرادیت یہ ہے کہ مفتی صاحب نے بانت سعاد کے ہر شعر کے مفہوم کو نئے انداز سے اسی ردیف وقافیہ میں نظم کیا ہے اور ہر ایک شعر کا فارسی و اردو میں منظوم ترجمہ بھی کیا ہے-'' [۵۴]

یہ شرح ۱۳۵۳ھ میں شائع ہوئی ہے، راقم کی نظر سے نہیں گزری-

(۹) الارشاد الی بانت سعاد: مولوی ذوالفقار علی دیوبندی: مولوی ذوالفقار علی دیوبندی (ولادت: تقریباً ۱۲۳۷ھ/ ۲۲-۱۸۲۱ء- وفات: ۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۴ء) مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی اور مولانا مملوک علی نانوتوی کے شاگرد تھے، عربی زبان وادب کا خاص ذوق تھا، تصانیف میں دیوان متنبی کی شرح بنام **تسهیل البیان فی شرح الدیوان ، تسهیل الدراسة فی شرح دیوان الحماسة** اور **التعلیقات علی السبع المعلقات** قابل ذکر ہیں-

بانت سعاد کی شرح 'الارشاد الی بانت سعاد' کے نام سے کی ہے، ابتدا میں آٹھ صفحات کا مقدمہ ہے، جس میں قصیدے کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی ہے- یہ بہ یک وقت عربی اور اردو دونوں زبانوں کی شرح ہے، پہلے عربی میں حل لغات اور شعر کا معنی بیان کرتے ہیں، اس کے بعد 'ترجمہ' کے عنوان سے شعر کا ترجمہ اور معنی ومفہوم بیان کرتے ہیں-

کتب خانہ قادریہ میں اس کا ایک قدیم نسخہ موجود ہے جو مطبع مجتبائی دہلی سے ۱۳۱۷ھ/ ۱۹۰۰ء میں شائع ہوا ہے، متوسط سائز کے ۴۸ ر صفحات پر مشتمل ہے-

تخمیس: کوئی شاعر کسی قصیدے کے شعر پر تین مصرعے لگاتا ہے تو اس کو ''تخمیس'' کہتے ہیں، اردو میں اس صنف کو ''خمسہ'' کہتے ہیں- بانت سعاد پر خمسہ کہنے والوں کی بھی کمی نہیں ہے- بروکلمین نے ایسے ۱۲ ر شعرا کا ذکر کیا ہے جنہوں نے بانت سعاد کی تضمین بطور خمسہ کی ہے- ان میں مندرجہ ذیل حضرات شامل ہیں:

(۱) محمود نجار (وفات تقریباً ۱۰۸۸ھ)
(۲) صدقت اللہ قاہری (وفات: ۱۱۱۵ھ)
(۳) شعبان بن محمد بن داؤد القرشی (وفات: ۸۲۸ھ)
(۴) عیسیٰ بن عبد الرحمٰن السکتانی (وفات: ۱۰۶۲ھ)
(۵) شمس الدین البدماصی
(۶) شہاب الدین یحییٰ بن حبش سہروردی (وفات: ۵۸۷ھ)

(۷) فخر الدین عثمان بن علی المار دینی
(۸) خلیل الاشرفی الاسکندرانی
(۹) محمد بن عبد القادر بن عمر السنجاری الواسطی- ان کے خمسے کا نام " تنفیس الشدة وبلوغ المراد فی تخمیس بانت سعاد " ہے-
(۱۰) احمد بن محمد الشرقاوی الجرجاوی (وفات: ۱۲۲۰ھ)[۵۵]
بانت سعاد کے ان مذکورہ خمسوں میں سے صرف دو ہی ہماری دسترس میں آسکے-
(۱) احمد بن محمد الشرقاوی الجرجاوی کا مخمس جس کا پہلا بند یہ ہے:

قلبي على حب من اهواه مجبول
ونقل شوقي على العشاق مقبول
يا لائمي خلني فالعقل مخبول
بانت سعاد فقلبي اليوم متبول
متيم اثرها لم يفد مكبول

(ترجمہ: میرا دل تو میرے محبوب کی محبت پر پیدا ہوا ہے اور عاشقوں کے درمیان میری محبت کی حکایت مقبول ہے- اے مجھے ملامت کرنے والے، مجھے میرے حال پر رہنے دے، (اس لیے کہ میری) عقل تباہ ہوچکی ہے، (کیوں کہ) سعاد جدا ہوگئی، میرا دل آج پریشان ہے، اس کے عشق میں مبتلا ہوں جس سے اب رہائی ممکن نہیں)
(۲) شعبان بن محمد بن داؤد مصری کا مخمس جس کا پہلا بند یہ ہے:

قل للعواذل مهما شئتموا قولوا
فليس لي بعد من اهواه معقول
ناديت يوم النوى والدمع مسبول
بانت سعاد فقلبي اليوم متبول
متيم اثرها لم يفد مكبول

(ترجمہ: ملامت کرنے والوں سے کہہ دو کہ وہ جو چاہیں کہتے پھریں، کیوں کہ مجھے تو اپنی محبوبہ کے بعد اب کوئی ہوش ہی نہیں رہا- جدائی کے روز میں نے پکارا (اس حال میں کہ میرے) آنسو جاری تھے، ہائے سعاد جدا ہوگئی، میرا دل آج پریشان ہے، اس کے عشق میں مبتلا ہوں جس سے اب رہائی ممکن نہیں)
عمر رضا کحالہ نے معجم المؤلفین میں اور اسماعیل پاشا بغدادی نے ہدیۃ العارفین میں عثمان بن عبداللہ العریانی الحنفی الکلیسی (وفات: ۱۱۶۸ھ) کی تصانیف کے ذیل میں " مرصاد المرادفی شرح تخمیس بانت سعاد " کا ذکر کیا ہے-[۵۶] نام سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بانت سعاد کے کسی خمسے کی شرح ہے، اس سے زیادہ اس کتاب کے بارے میں اور کچھ معلوم نہیں ہوسکا-
تشطیر: کسی شعر کے پہلے مصرع پر مصرع ثانی اور دوسرے مصرع پر مصرع اول لگا کر بند کی شکل دینے کو تشطیر کہتے ہیں، تضمین کا یہ طریقہ غالباً اردو میں اختیار نہیں کیا گیا-
بانت سعاد کی شہرت و مقبولیت اس حد کو پہنچی کہ بعض شعرا نے اس کی تشطیر بھی کر ڈالی- کارل بروکلمین نے آغا جلیل (وفات: تقریباً ۱۱۸۰ھ) عبدالرزاق الجندی (وفات: ۱۱۸۹ھ) اور عبدالقادر سعید رافعی فاروقی کی تشطیرات کا ذکر کیا ہے-[۵۷]
آخر الذکر شاعر کی تشطیر کا ایک نایاب نسخہ کتب خانہ قادریہ بدایوں میں محفوظ ہے- یہ شیخ عبدالقادر سعید رافعی حنفی طرابلسی چودہویں صدی ہجری کے عالم ہیں- آپ نے مکمل قصیدے کی تشطیر کی ہے- انہوں نے اس کے علاوہ امام بوصیری کے دو قصیدوں (بردہ اور ہمزیہ) کی بھی تشطیر کی ہے، ان کی یہ تینوں تشطیر " نيل المراد في تشطير الهمزية والبردة وبانت سعاد " کے نام سے شائع ہوئی ہے- کتب خانہ قادریہ میں جو نسخہ موجود ہے وہ مطبع التوفیق قاہرہ سے ۱۳۲۳ھ میں شائع ہوا ہے- بانت سعاد کی تشطیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

بانت سعاد فقلبي اليوم متبول
والنوم والسهد مقطوع وموصول
والجسم بعد سعاد مدنف وصب
متيم اثرها لم يفد مكبول

(ترجمہ: سعاد جدا ہوگئی اس لیے میرا دل آج پریشان ہے، نیند اڑی ہوئی ہے اور بیداری جاری ہے- (عاشق کا) جسم سعاد کے بعد بیمار و ناتواں ہے، ایسا عشق میں مبتلا ہے کہ اس سے رہائی ممکن نہیں)
السید عبدالرزاق الجندی العباسی (وفات: ۱۱۸۹ھ) نے بانت سعاد کی تشطیر کی ہے، فرماتے ہیں:

بانت سعاد فقلبي اليوم متبول
وكيف لا وفؤاد الصب مشغول
وانني من غرام قد ولعت به

متیم اثرھا لم یفد مکبول

(ترجمہ: سعاد جدا ہوگئی اس لیے میرا دل آج پریشان ہے اور کیوں نہ ہو کہ عاشق کا دل تو مبتلا رہتا ہی ہے۔ اور مَیں تو اس عشق کی وجہ سے (جس میں مَیں پڑ گیا ہو) ایک اسیر ہوں جس کی رہائی ممکن نہیں)

معارضہ: کسی قصیدے یا غزل کے بالمقابل اسی بحر اور ردیف و قافیہ میں غزل یا قصیدہ نظم کرنے کو "معارضہ" کہتے ہیں- اردو میں بھی معارضے کا رواج ہے مگر اس کو یہ نام نہیں دیا جاتا، عموماً اس مفہوم کی ادائیگی کے لیے "ہم زمین" لفظ استعمال ہوتا ہے-

بانت سعاد کا معارضہ کرنے والوں کی بھی کمی نہیں- بروکلمین نے صرف امام بوصیری اور عبد الہادی بن علی بن طاہر الحسنی کے معارضات کا ذکر کیا ہے-[۵۸]

ڈاکٹر عمر محمد الطالب نے بانت سعاد کے ۷/ معارض قصیدوں کا تذکرہ کیا ہے-[۵۹]

ڈاکٹر عمر محمد الطالب نے جن معارضات کا ذکر کیا ہے ہم یہاں ان کا مختصراً تذکرہ کر رہے ہیں-

(۱) ڈاکٹر عمر محمد الطالب کے بقول بانت سعاد کا سب سے پہلا معارضہ علی بن محمد بن علی بن احمد بن مروان العمرانی الخوارزمی (وفات: ۵۶۰ھ) نے کیا، قصیدے کا مطلع ہے:

اضاء برق وسجف اللیل مسدول

کما یھز الیمانی وھو مصقول

(ترجمہ: رات کا پردہ پڑا تھا (یعنی تاریک رات تھی) کہ ایسی بجلی چمکی جیسے صیقل کی ہوئی یمنی تلوار لہراتی ہو)۔

(۲) معارضہ شہاب العزازی: احمد بن عبد الملک شہاب العزازی (وفات: ۷۱۰ھ) نے بھی بانت سعاد کی طرز پر نعت رسول میں لامیہ قصیدہ کہا، قصیدے کا مطلع ہے:

دمي باطلال ذات الخال مطلول

وجیش صبري مھزوم ومغلول

(ترجمہ: میرا خون تل والی (محبوبہ) کے ٹیلوں پر بلا انتقام بہہ چکا ہے، اور میرے صبر کا لشکر شکست خوردہ اور پابہ زنجیر ہے)

(۳) معارضہ ابوحیان اندلسی: ابوحیان اندلسی (وفات: ۷۴۵ھ) مفسر، ماہر لغت اور ماہر نحو وصرف کی حیثیت سے معروف ہیں، انہوں نے بانت سعاد کا معارضہ کیا ہے، ان کا معارض قصیدہ ۸۳/ اشعار پر مشتمل ہے، قصیدے کا مطلع درج ذیل ہے:

لا تعذلاہ فما ذو الحب معذول

العقل مختبل والقلب متبول

(ترجمہ: آپ دونوں اس (عاشق) کی ملامت مت کیجیے، عاشق بھی کہیں معتوب ہوتا ہے؟ (کیوں کہ اس کی) عقل تباہ اور دل حیران ہے)

ڈاکٹر عمر محمد الطالب نے ابن حیان کے اس قصیدے کا نام ذکر نہیں کیا ہے-

ڈاکٹر احسان عباس نے قصیدے کا نام "**المورد العذب فی معارضة قصیدة کعب**" لکھا ہے-[۶۰]

(۴) معارضہ تقی الدین: یہ شبیب بن حمدان تقی الدین الطبیب (وفات: ۶۹۵ھ) ہیں، مصر کے ادبا اور اطبا میں نمایاں ہیں، انہوں نے بھی بانت سعاد کی زمین میں نعتیہ قصیدہ کہا-

(۵) معارضہ ابن نباتہ: علامہ جمال الدین محمد بن محمد ابن نباتہ مصری (وفات: ۷۶۸ھ) معروف ادیب وشاعر ہیں، انہوں نے قصیدۂ بانت سعاد کے معارض قصیدہ کہا، ان کے قصیدے میں ۷۹/ اشعار ہیں، مطلع میں کہتے ہیں:

ماالطرف بعدکم بالنوم مکحول

ھذا وکم بیننا من ربعکم میل

(ترجمہ: تمہارے بعد آنکھ میں نیند کا سرمہ نہ لگا، اس کے علاوہ ہمارے اور تمہاری جائے قیام کے درمیان کتنی میلوں کا فاصلہ ہے)

(۶) معارضہ ابن الساعاتی: ابن ساعاتی نے بھی بانت سعاد کی زمین میں نعتیہ قصیدہ کہا ہے، جو ۴۷/ اشعار پر مشتمل ہے، مطلع ہے:

جد الغرام وزاد القال والقیل

وذو الصبابةمعذور ومعذول

(ترجمہ: عشق میں تیزی آئی اور چہ می گوئیاں بہت ہوگئیں، حالانکہ (بے چارہ) عاشق معذور بھی ہے اور معتوب بھی)

(۷) معارضہ بوصیری: امام شرف الدین بوصیری (وفات: ۶۹۶ھ) ایک عظیم شاعر اور عاشق رسول کی حیثیت سے معروف ہیں، آپ کا قصیدہ میمیہ جو "قصیدۂ بردہ" کے نام سے مشہور ہے آج بھی دلوں میں عشق رسول کی شمع فروزاں کرتا ہے- آپ نے بانت سعاد کی

زمین میں ایک طویل نعتیہ قصیدہ نظم کیا ہے، قصیدے کا نام "ذخـر المعاد فی موازنة بانت سعاد" ہے، یہ قصیدہ ۲۰۴ر اشعار پر مشتمل ہے- مطلع میں فرماتے ہیں:

الی متی انت بالـذات مشغول
وانـت عـن کـل ما قدمت مسئول

(کب تک تم اپنی ذات میں مشغول رہوگے؟ حالانکہ تم نے جو کچھ بھی کیا ہے تمہیں اس کا جواب دینا ہوگا)

آخر الذکر دو قصائد کے لیے ڈاکٹر عمر محمد الطالب نے "معارضہ" کی بجائے "موازنہ" کا لفظ استعمال کیا ہے- ہمارے خیال میں ان دونوں اصطلاحوں میں فنی اعتبار سے کوئی بہت زیادہ فرق نہیں ہے-

ان حضرات کے علاوہ اور بھی کئی حضرات نے بانت سعاد کی زمین میں نعتیہ قصائد کہے ہیں- علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی (وفات: ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۲ء) کا نام محتاج تعارف نہیں ہے- آپ نے بانت سعاد کی زمین میں ۱۵۰ر اشعار کا نعتیہ قصیدہ نظم کیا، قصیدے کا نام "سعـادة المعاد فی موازنة بانت سعاد" ہے، قصیدے کا مطلع درج ذیل ہے:

هـواي طيبة لا بيضـاء عطبـول
ومـنيتـی عينهـا الزرقـاء لا النيل

(ترجمہ: میری چاہت طیبہ (مدینہ منورہ) ہے، نہ کہ خوبصورت نوجوان دوشیزہ اور میری آرزوں کا مرکز اس (مدینہ منورہ) کی نہر زرقا ہے نہ کہ (مصر کا) دریائے نیل)

ابن سید الناس الیعمری نے "عدۃ المعاد فی معارضۃ بانت سعاد" کے نام سے قصیدہ کہا ہے-

بانت سعاد کی شروحات، تضمینات، تشطیرات اور معارضات کی یہ ایک ناقص اور نامکمل فہرست ہے، اگر مزید تحقیق وتلاش کی جائے تو اس فہرست میں اضافہ کیا جاسکتا ہے-

حواشی

[۳۹] نفح الطیب: احمد بن محمد المقری، ص۲۵۴/ (آن لائن ایڈیشن)

[۴۰] کشف الظنون: حاجی خلیفہ، ج۲/ص۱۳۳۰/ داراحیاء التراث العربی بیروت-

[۴۱] تاریخ الادب العربی: کارل بروکلمین، ج۱/ص۱۵۸ر تا ص۱۶۰/ عربی ترجمہ عبدالحلیم النجار/ دارالمعارف قاہرہ/۱۹۸۳ء

[۴۲] شرح خطیب تبریزی علی بانت سعاد: ص۲۰/ مکتبۃ الآداب قاہرہ/ ۲۰۰۳ء

[۴۳] تاریخ الادب العربی: کارل بروکلمین، ج۱/ص۱۵۸ر تا ص۱۶۰/ عربی ترجمہ عبدالحلیم النجار/ دارالمعارف قاہرہ/۱۹۸۳ء

[۴۴] اکمل التاریخ: ضیاء القادری، ج۱ر ص۴۲/ مطبع قادری بدایوں/ ۱۹۱۵ء

[۴۵] اس علمی معرکہ آرائی کی تفصیل کے لیے دیکھیے راقم کی کتاب 'خیرآبادیات' از: ص۱۷۸ر تا ۱۸۲

[۴۶] نزہۃ الخواطر: سید عبدالحی لکھنوی، ج۷/ص۴۱/ لکھنؤ/۱۹۹۲ء

[۴۷] تذکرہ علمائے ہند: رحمٰن علی، ص۱۲۷/ ترجمہ وتحشیہ ڈاکٹر ایوب قادری/ کراچی/۱۹۶۱ء

[۴۸] مرجع سابق، ص۲۳۹

[۴۹] تاریخ الادب العربی: کارل بروکلمین، ص۱۵۸

[۵۰] دیکھیے: تذکرہ علمائے ہند: رحمٰن علی، ص۴۴۹

[۵۱] دیکھیے: تذکرہ علمائے ہند: رحمٰن علی، ص۴۴۹

[۵۲] نزہۃ الخواطر: ج۷/۵۴۳/ لکھنؤ/۱۹۹۲ء

[۵۳] دیکھیے: تذکرہ علمائے ہند: رحمٰن علی، ص۴۴۹/ ترجمہ وتحشیہ ڈاکٹر ایوب قادری/ کراچی/۱۹۶۱ء

[۵۴] مختصر تذکرہ مفتی الٰہی بخش نشاط کاندھلوی: نورالحسن راشد کاندھلوی، ص ۶۰ر۶۱/ مفتی الٰہی بخش اکیڈمی کاندھلہ/ ۲۰۰۱ء

[۵۵] ملخصاً از تاریخ الادب العربی: کارل بروکلمین، ج۱/ص۱۶۱

[۵۶] معجم المؤلفین: عمر رضا کحالہ، ج۲/ص۳۶۳- ہدیۃ العارفین: اسماعیل پاشا بغدادی، ج۱/ص۶۵۸

[۵۷] تاریخ الادب العربی: کارل بروکلمین، ج۱/ص۱۶۲

[۵۸] مرجع سابق، ج/ص۱۵۸ر تا ص۱۶۰

[۵۹] دیکھیے: دراسة فی تحلیل النصوص الا دبية والشعرية: عمر محمد طالب/ منشورات اتحاد الکتاب العربی دمشق/۲۰۰۰ء

[۶۰] دیکھیے: تاریخ الادب العربی فی الاندلس: احسان عباس- (آن لائن ایڈیشن)

□□□

☆ خانقاہ قادریہ، مولوی محلہ بدایوں (یوپی)
email:qadriusaid@yahoo.com

غلام مصطفیٰ ازہری☆

پہلی قسط

وسطیت اور اعتدال اہل سنت کا نشان امتیاز ہے

داعی اسلام شیخ ابوسعید صفوی کے دورۂ مصر کے موقعے پر علما و مشائخ ازہر کا اظہار خیال

داعی اسلام عارف ربانی شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی دام ظلہ کی صحبت میں گزشتہ تقریباً ڈھائی سال رہنے کے بعد ہر دن میرا یہ یقین بڑھتا چلا گیا کہ ان کے شب و روز دعوت اور صرف دعوت کے لیے بسر ہوتے ہیں- میں نے اپنی حد تک انھیں **ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین** کی کھلی تفسیر پایا- خانقاہ عارفیہ سید سراواں الہ آباد میں ان کی زندگی کا ہر لمحہ اسی محور پر گردش کرتا ہے اور اگر کسی وجہ سے یا کسی کی دعوت پر خانقاہ سے باہر نکلنا پڑا تو دوران سفر بھی اسی کا جلوہ نظر آتا ہے- امت کی نجات کی فکر، غیر مسلموں تک اسلام کی دعوت پہنچانے کا جذبہ اور علما کو قیل وقال سے جذب وحال کی طرف کھینچنے کا جنون انھیں ہر وقت بے چین رکھتا ہے- دلوں میں اسلام کی سچی محبت، ذہن ودماغ میں اہل سنت وجماعت کے عقائد وافکار اور عمل میں ایک سچے مسلمان کی روح ڈالنے کی فکر میں ہر وقت غرق رہتے ہیں- اس کے ساتھ ان کی یہ کوشش بھی ہوتی ہے کہ تبلیغ ودعوت کے حوالے سے جو کام بھی کریں، صوفیہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے کریں، جو عین منہاج نبوت پر قائم ہیں اور جن کے بارے میں حجۃ الاسلام امام محمد الغزالی قدس سرہ نے بجا طور پر یہ کہا ہے کہ صوفیہ کی سیرت سب سے اچھی، ان کا کردار سب سے بلند اور ان کے اخلاق سب سے عمدہ ہیں- وہ مشکوٰۃ نبوت سے براہ راست مستفید ہوتے ہیں- اگر تمام حکما کی حکمت اور عقلا کی عقل کو جمع کر کے ان کی سیرت وکردار میں اضافہ کی کوشش کی جائے تو یہ ممکن نہیں ہوگا-

صرف اسی جذبۂ حق کے تحت داعی اسلام نے گزشتہ سال جامعۃ الازہر کا پہلا سفر کیا تھا اور اس سال دوسرا تاریخی دورہ مکمل کیا، جو کئی جہتوں سے یادگار رہا- اس سفر میں شیخ الازہر ڈاکٹر احمد محمد الطیب سے ملاقات ہوئی- مختلف دینی اور تعلیمی مسائل پر تبادلۂ خیال ہوا اور تاریخ میں پہلی بار ہندوستان کے کسی ادارے کا براہ راست شیخ الازہر کے توسط سے جامعہ ازہر کے ساتھ روابط ہموار ہوئے-

اس تاریخی سفر میں حضرت داعی اسلام کی خدمت ورفاقت کا قرعۂ فال راقم الحروف کے نام نکلا- یہ میرے لیے بڑی خوش قسمتی اور سعادت مندی تھی؛ کیوں کہ ہمارا ایمان ہے کہ......ع

یک زمانہ صحبتے با اولیا
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

اور یہاں تو لمحے چند لمحے نہیں، مسلسل دس بارہ دنوں تک حضرت داعی اسلام عارف ربانی کی خدمت کا موقع میسر آیا تھا- فیضان کرم کی مسلسل بارش ہونے والی تھی- میرے لیے خوشی کی ایک دوسری جہت بھی تھی- وہ یہ کہ ۲۰۰۸ء میں ازہر سے فراغت کے بعد یہ پہلا موقع تھا جب میں اپنی مادر علمی کے لیے رخت سفر باندھ رہا تھا، وہ بھی اس شخصیت کے ساتھ جو بقول برادر گرامی مولانا ذیشان احمد مصباحی......ع

وہ عصر نو کا مسیحا ہے خضر دوراں بھی
نظر وہ مرد قلندر جہاں پہ رکھتا ہے

۲۱ رجنوری ۲۰۱۳ء کو حضرت شیخ نے مجھے طلب کیا اور سفر کی تیاری کا حکم دیا- یہ تیاری دو نوعیت کی تھی- ایک یہ کہ میں حسب ضرورت کچھ کپڑے سلا لیتا اور زاد راہ کے طور پر کچھ دوسری چیزیں خرید لیتا- یہ بات کوئی اہم نہ تھی- تیاری کرنے کی جو اہم چیز تھی وہ تھی مجلہ الاحسان عربی کی تیاری- دراصل جامعہ ازہر کے پہلے سفر مارچ ۲۰۱۲ء میں داعی اسلام نے جب علما ومشائخ ازہر سے ملاقات کی اور عربی زبان میں وزیٹنگ کارڈ، دلیل الجامعہ اور داعی اسلام کے تعارفی فولڈر کے ساتھ الاحسان کا تیسرا اردو شمارہ انہیں نذر کیا تو ان لوگوں نے اس بات پر بڑی مسرت کا اظہار کیا کہ ہندوستان میں تصوف کے فروغ واشاعت کے لیے علمی کام ہو رہا ہے لیکن ساتھ ہی انھوں نے اپنی بے بسی کا اظہار بھی کیا کہ وہ اردو زبان میں ہونے کی وجہ سے استفادہ کرنے سے قاصر ہیں- حضرت داعی اسلام نے اس صورت حال کے پیش نظر یہ ضرورت محسوس کی کہ الاحسان کا عربی ایڈیشن بھی شائع ہونا چاہیے تاکہ علمائے ازہر ایک طرف ہندوستان میں تصوف پر ہونے والے علمی کام سے آگاہ ہوں تو دوسری طرف ہندومصر کے درمیان علمی روابط استوار

ہوں؛ کیوں کہ گذشتہ پوری صدی کا جائزہ لیجئے تو اندازہ ہوگا کہ اس طویل عرصے میں ہندو مصر سے روابط کی علمی و عملی استواری پر کوئی قابل قدر کوشش نہیں کی گئی، جب کہ ہندوستان کی طرح مصر کی اکثریت بھی اہل سنت و جماعت ہے اور تصوف اور صوفیہ کی محبت ان کے لیے حرز جان وایمان ہے-عجیب اتفاق ہے کہ ہندوستان کے بعض کرم فرما جنہیں احسان وسلوک سے خداواسطے بیر بلکہ چڑھ تھی انھوں نے تو اپنے آپ کو صوفی لبادے میں لپیٹ کر ازہر اور علماے ازہر سے خوب پینگیں بڑھائیں اور علمی و مادی ہر اعتبار سے فوائد حاصل کیے اور ہم تھے کہ اپنے گھر میں بیٹھ کر صرف دوسروں کا بائیکاٹ کرتے رہے-

داعی اسلام نے مصر کے پہلے سفر سے واپسی کے بعد ہی یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اگلے سفر میں الاحسان کا عربی ایڈیشن بھی ساتھ ہوگا- درمیان میں بھی وہ بات آتی رہی مگر تدریسی فرائض، خضر راہ اردو کی ماہانہ اشاعت اور جامعہ وخانقاہ کی دوسری سرگرمیاں آڑے آتی رہیں- اندازہ یہ تھا کہ ۵،۶ رفروری کو داعی اسلام مصر کے لیے روانہ ہوں گے- ہمارے سامنے ۱۵ر دن تھے اور داعی اسلام نے مشورے کے بعد یہ حتمی فیصلہ لے لیا کہ الاحسان عربی بہر صورت شائع ہونا چاہیے- ان میں ۵،۶ دن پریس کے لیے بھی چاہیے تھے- اس طور پر ہمارے سامنے کام کے صرف دس دن تھے- ہمارے احباب مولانا ضیاء الرحمٰن علیمی، مولانا مجیب الرحمٰن علیمی، مولانا ذیشان احمد مصباحی اور مولانا رکن الدین سعیدی قابل مبارکباد ہیں کہ انھوں نے شیخ کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے کمر ہمت کس لی اور مجاہدانہ انداز میں شب و روز مضامین لکھنے، دوسروں سے لکھوانے، ای میل، ٹیلی فون، کتابت اور پروف ریڈینگ میں مصروف ہو گئے- ادھر جامعہ ازہر میں مخدوم ابن مخدوم حضرت مولانا حسن سعید صفوی اور ان کے ساتھ مولانا اظہار احمد ثقافی اور مولانا مظفر آفاق ازہری نے علما و مشائخ ازہر سے مقالات و مضامین حاصل کرنے ، الاحسان کے مشاورتی بورڈ کے لیے ممتاز علمائے ازہر سے ان کے ناموں کی منظوری لینے اور خود اپنے مقالے لکھنے میں مصروف ہو گئے- ٹیلی فون اور انٹرنیٹ سے یہ لوگ برابر ہم سے رابطے میں رہے- داعی اسلام بھی ہر لحہ ہماری کارکردگی کا جائزہ لیتے رہے اور دعائیں کرتے رہے- اسی بیچ حضرت داعی اسلام کو ۱ر تا ۴ر فروری شیلانگ میگھالیہ کے سفر پر رہنا تھا- وقت کی تنگی اور ہمارے رفقائے کار کی جاں فشانی کو دیکھتے ہوئے حضرت داعی اسلام نے اپنے سفر کی تاریخ بڑھادی اور بالآخر ۱۲ر فروری کو مصر کی روانگی طے پائی-

۴ر تاریخ کو مجلّہ الاحسان عربی، پریس کے حوالے کر دیا گیا- دو ہفتے میں کیا گیا یہ کام کس قدر وقیع اور قابل تحسین ہے اس کا صحیح فیصلہ تو قارئین ہی کریں گے لیکن ہمیں اتنا کہنے میں کوئی باک نہیں کہ ظاہر و باطن اور مواد و پیش کش ہر لحاظ سے یہ ایک مکمل رسالہ ہے- بڑی سائز (۷×۹) پر ۱۴۸ر صفحات کو محیط مجلّہ الاحسان عربی کے اس شمارے میں کل ۲۹ر مقالات/مضامین شامل ہیں جن میں ۱۶ر علماے ازہر کے ہیں- ہندوستان میں جامعہ عارفیہ کے اساتذہ کے علاوہ دیگر بڑے اصحاب قلم کی نگارشات بھی شامل ہیں- اسی طرح مشاورتی بورڈ میں کل ۱۶ر اسما شامل ہیں جن میں ۷ر نام مصر سے ہیں اور وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) مفتی اعظم مصر ڈاکٹر مفتی علی جمعہ (۲) شیخ المشائخ ڈاکٹر عبدالہادی قصبی (۳) ڈاکٹر محمد مہنا، مشیر قانونی شیخ الازہر (۴) شیخ ڈاکٹر طہ حبیشی، صدر شعبۂ عقیدہ وفلسفہ جامعہ ازہر (۵) ڈاکٹر جمال فاروق، استاذ کلیۃ الدعوۃ الاسلامیۃ، جامعہ ازہر (۶) شیخ ڈاکٹر ابراہیم صلاح الہدہد، نائب رئیس الجامعہ، ازہر شریف (۷) شیخ محمد خالد ثابت، معروف ادیب وقلم کار روحانی مکتبہ دارالمقطم

ہندوستان کے اہل علم و دانش جو مجلس شوریٰ کی زینت ہیں ان کے نام اس طرح ہیں: (۱) شیخ ابوبکر احمد، سربراہ جامعہ مرکز الثقافۃ السنیہ، کیرالا (۲) پروفیسر ڈاکٹر مسعود انور علوی، سابق صدر شعبۂ عربی، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ (۳) پدم شری پروفیسر اختر الواسع، صدر شعبۂ اسلامیات، جامعہ ملیہ، نئی دہلی (۴) مولانا عبدالحفیظ مصباحی، سربراہ اعلی الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور (۵) شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری، زیب آستانہ عالیہ قادریہ، بدایوں (۶) مولانا عبید اللہ خان اعظمی، سابق ممبر راجیہ سبھا، حکومت ہند (۷) ڈاکٹر سید شمیم الدین منعمی، زیب آستانہ منعمیہ، پٹنہ (۸) ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی، مولانا آزاد نیشنل اردو یونی ورسٹی، حیدر آباد (۹) پروفیسر مصطفیٰ شریف، ڈائرکٹر دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد-

مذکورہ علماے مصر میں ڈاکٹر ابراہیم صلاح ہدہد کے علاوہ دیگر تمام علمائے مصر کے مضامین شامل بھی ہیں- مجلّہ الاحسان عربی دراصل ہندو مصر کے مابین علمی، دینی اور تعلیمی روابط کو استوار کرنے اور عالمی سطح

پر بالعموم اور ہندوعرب کے مابین بالخصوص علماو مشائخ اہل سنت کے بیچ پیدا وسیع خلیج کو پاٹنے کی ایک صالح شعوری کوشش ہے-مجلس مشاورت میں شامل ناموں کا تنوع اسی عظیم مقصد کے پیش نظر ہے-اس سے الاحسان کے وسیع کینوس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے-

۱۲/فروری ۲۰۱۳ء کو ساڑھے گیارہ بجے دن میں جامعہ عارفیہ کے اساتذہ وطلبہ اور خدام نے حضرت داعی اسلام کو الوداع کہا-اس دوران حضرت ایک ایک طالب اور استاذ سے ملتے رہے-ساڑھے بارہ بجے ہماری کار الہ آباد ریلوے اسٹیشن پہنچ چکی تھی-حضرت کے محبین اسٹیشن پر موجود تھے-ٹرین کا وقت ۱۱:۵۵ تھا-لیکن ہندوستانی ضابطۂ وقت کے مطابق تقریباً ڈیڑھ بجے ٹرین پہنچی- پھر کافی دیر تک اسٹیشن پر کھڑی رہی-تقریباً ڈھائی بجے ہماری ٹرین الہ آباد اسٹیشن سے روانہ ہورہی تھی-دہلی بھی بے وقت پہنچی-رات کے ۱۲/بج چکے تھے جب کہ ٹرین پہنچنے کا وقت ۸:۵۰ تھا-

ہمیں فوراً اسٹیشن سے ایرپورٹ کے لیے روانہ ہونا پڑا-الہ آباد سے دہلی کا سفر تھکا دینے والا تھا-ٹرین مسلسل تاخیر ہورہی تھی اور اس میں Canteen بھی نہیں تھا لیکن اس کے باوجود نمازیں وقت پر ادا کی جاتی رہیں-موجودہ زمانے میں جب کہ دس دس پندرہ پندرہ گھنٹے نان اسٹاپ ٹرینیں چلتی ہیں، ایسی صورت میں حضرت داعی اسلام کا موقف یہ ہے کہ نمازیں ٹرین پر ہی پڑھی جائیں اور وقت پر پڑھی جائیں-

الہ آباد سے دہلی تک کے سفر میں مخدوم زادی حضرت زینب آپی بھی ہمارے ساتھ تھیں-ٹو ٹائر کوچ میں تین سیٹیں ہماری تھیں-اوپر والی ایک سیٹ پر ایک صاحب اپنی اہلیہ کے ساتھ تھے-انھوں نے اپنی بیگم کو اوپر بھیج دیا- مجھے اپنی سیٹ پر اوپر جانا تھا کیوں کہ نیچے والی دونوں سیٹیں ہمارے مخدوم اور مخدوم زادی صاحبہ کے لیے تھیں-آں جناب پریشان دکھ رہے تھے- کیوں کہ ان کے پاس ایک ہی سیٹ تھی- وہ بھی اوپر والی- نیچے والی ایک سیٹ پر داعی اسلام تھے اور دوسری پر مخدومۂ گرامی- جناب ان دونوں سیٹوں میں سے کسی پر بیٹھ بھی نہیں سکتے تھے-ان کی پریشانی کو دیکھتے ہوئے حضرت داعی اسلام نے مخدوم زادی صاحبہ کو اوپر والی سیٹ پر بھیج دیا- یہ منظر بھی میری چشم حیرت نے دیکھا کہ حضرت زینب کا بستر حضرت داعی اسلام اپنے ہاتھوں سے لگا رہے ہیں- نگاہوں میں پیغمبر اسلام جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا حسن سلوک پھر گیا جو آپ ﷺ اپنی دختر نیک اختر حضرت فاطمۃ الزہرا کے ساتھ فرمایا کرتے تھے-بیٹی کا اس قدر اکرام کرنا آج کے دور میں عنقا سا لگتا ہے-

نئی دہلی ریلوے اسٹیشن سے اندرا گاندھی ایرپورٹ کا سفر ریاض بھائی کی کار سے طے ہوا-ساتھ میں مولانا رفعت رضا نوری بھی تھے-حاجی حبیب اللہ بھی اپنے چند رفقا کے ساتھ اسٹیشن آئے ہوئے تھے- وہ حضرات ملاقات کر کے واپس ہوگئے- زینب آپی بھی اپنے خاوند جناب سید سیف الاشفاق عرف سیفی بھائی کے ساتھ روانہ ہوگئیں -تقریباً ڈیڑھ بجے ہم ایرپورٹ پہنچ چکے تھے-حضرت نے سامان دو ٹرالی پر تقسیم کردیا، مولانا رفعت اور ریاض بھائی کو اجازت دے دی اور ہم لوگ ایرپورٹ کے اندر داخل ہوگئے-ایک ٹرالی حضرت کے ہاتھ میں تھی دوسری میرے ہاتھ میں- یہی کیفیت پورے سفر میں رہی- میں چاہ کر بھی خود کو خادم سفر بنا کر پیش نہیں کرسکا- حضرت نے ہمیشہ مجھے رفیق سفر کی طرح رکھا نہ کہ خادم سفر کی طرح......ع

شاہاں راچہ عجب گر بنوازند گدارا

صبح ۵:۴۰ بجے دہلی سے کویت کے لیے کویت ایرویز کو پرواز بھرنا تھا - عجیب اتفاق کہ ۵:۳۷ پر فجر کا وقت شروع ہو رہا تھا-تین منٹ کا وقت تھا-اگر زمین پر نماز پڑھتے ہیں تو پرواز چھوٹتی ہے اور اگر جہاز عملہ کے اصول کے مطابق پرواز سے دس منٹ پہلے جہاز میں داخل ہوجاتے ہیں تو نماز چھوٹتی ہے-حضرت داعی اسلام اس موقع پر دیر تک علمی وفقہی گفتگو فرماتے رہے-حضرت نے فرمایا کہ جہاز اور کمپیوٹر نے جو نئے مسائل پیدا کیے ہیں ان پر فقہا کو بڑی وسعت اور گہرائی و گیرائی کے ساتھ غور کرنا چاہیے تا کہ امت کلفت و مشقت میں بھی مبتلا نہ ہو اور وقت پر نمازیں بھی ادا ہوتی رہیں-طویل مسافتوں میں دس دس پندرہ پندرہ گھنٹے انسان خلا میں ہوتا ہے- اس بیچ نماز کے دو دو تین تین چار چار اوقات گزر جاتے ہیں -ایسی صورتوں میں مسلمان مسلسل ترک نماز کرے یا مقاصد شریعت، انسان کے مقصد تخلیق اور شریعت میں نماز کی غیر معمولی تاکید کے پیش نظر ممکنہ حد تک وقت پر نماز ادا کرے-اس وقت مجھے وہ حدیث یاد آئی جسے امام مالک، امام مسلم اور دوسرے عظیم محدثین نے روایت کیا ہے- آپ ﷺ نے فرمایا کہ بھول جانے والا یا سونے والا جب نیند سے بیدار ہو یا جب اسے نماز یاد آجائے تو وہ نماز

ادا کر لے؛ کیوں کہ اللہ کا فرمان ہے کہ میری یاد کے لیے نماز پڑھو- میرے دل میں خیال آیا کہ کیا ایسا ممکن ہے کہ خلائی سفر کے دوران جب اگلی نماز کا قضا ہونا یقینی ہو تو ایسی صورت میں وقت سے پہلے نماز پڑھ لی جائے یا خلا میں پرواز کرتے ہوئے نماز ادا کر لی جائے- یہ مسئلہ فقہائے عصر کی خصوصی توجہ کا طالب ہے- بہر کیف فجر کا وقت ہوتے ہی ہم لوگوں نے پرواز سے قبل ہی اپنی نماز فجر ادا کر لی جبکہ جہاز کے عملہ کی تاکید پر ہم نے اپنا بیلٹ لگا رکھا تھا- یہ نماز اشارے سے ہوئی - اللہ قبول فرمائے- جو شریعت جنگ کے دوران مجاہد کو اور بستر پر لیٹے ہوئے مریض کو نماز سے رخصت نہیں دے سکتی وہ بھلے چنگے مسلمانوں کو خلائی سفر کے عذر لنگ پر نماز سے کیسے معاف کر سکتی ہے-

تقریباً ساڑھے آٹھ بجے ہمارا جہاز کویت ایرپورٹ پر لینڈ کر چکا تھا- قاہرہ کے لیے اگلا پرواز پونے بارہ بجے تھا- تین گھنٹے کا وقت مختلف دینی و ملی موضوعات پر گفتگو کرتے گزر گیا- حضرت داعی اسلام کی یہ عادت ہے کہ سفر میں بطور خاص متوجہ رہتے ہیں- مخاطب کے لحاظ سے بہت کام کی باتیں کرتے ہیں- سفر کی تکان کے احساس سے نکلنے کے لیے کبھی کبھار ہلکی پھلکی تفریحی باتیں بھی کرتے ہیں اور مزاح لطیف بھی فرماتے ہیں - ویسے بالعموم رضائے حق ،اقامت دین اور استقامت علی الشریعہ ان کے خاص موضوعات ہوتے ہیں- توحید تو جیسے ٹیپ کا بند ہوتی ہے- حضرت سے جی کھول کر باتیں کرنے کا موقع ملتا ہے- میں نے الہ آباد سے دہلی تک کے سفر میں بھی کئی باتیں عرض کی تھیں- مثلاً مولانا ذیشان مصباحی کے اس مضمون کا ذکر کیا جو 'الاحسان' اردو کے تازہ شمارے میں شامل ہے- مولانا نے عارف باللہ قطب ربانی حضرت امام عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ کی کتاب میزان الشریعۃ الکبریٰ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اولیائے کاملین واصل عین شریعت ہوتے ہیں- اس مقام پر پہنچ کر تقلید کی زنجیر ٹوٹ جاتی ہے- نہ وہ حنفی شافعی رہتے ہیں اور نہ حنبلی مالکی - وہ براہ راست مشکوٰۃ نبوت سے استفادہ کرتے ہیں اور صرف پیغمبر ختمی مرتبت جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقلد ہوتے ہیں- اس مقام پر پہنچ کر تمام ائمۂ مجتہدین کی صداقت و اصابت کا راز کھل جاتا ہے- وہ یکساں سب کا احترام کرتے ہیں اور اس بات کا انہیں پورا شرح صدر ہوتا ہے کہ تمام مجتہدین برحق اور مصیب ہیں- برخلاف عام مقلدین کے جو زبان سے تو تمام مجتہدین کی صداقت کا دم بھرتے ہیں لیکن یہ ہڈی ان کے گلے سے نہیں اترتی- میں نے اپنے بعض دوستوں کے حوالے سے عرض کیا کہ خانقاہ میں ہمارے تقریباً تمام احباب پر ائمۂ مجتہدین کی صداقت، حقانیت اور اصابت روشن ہے، جب کہ بظاہر ایسا نہیں لگتا کہ کوئی ان میں واصل عین شریعت ہو- حضرت نے فرمایا کہ سب واصل عین شریعت نہ سہی، طالب عین شریعت تو ہیں- اس مقام پر بھی ائمہ سے سوئے ظن کا مرض مٹ جاتا ہے-

''خضر راہ'' کے تازہ شمارہ فروری، مارچ میں شائع میرے مضمون ''اللہ کے بندوں سے جہاں خالی نہیں ہے'' کا بھی ذکر آیا بلکہ حضرت خود ہی اس کا مطالعہ فرما رہے تھے، انہیں پسند آیا اور انہوں نے تحسین فرمائی- میں نے عرض کی حضور! میں نے اپنے طور پر غوث اعظم کو اپنی نگاہوں میں بسا کر یہ مضمون لکھا ہے- حضرت نے تھوڑے وقفے کے بعد فرمایا: مضمون بہتر ہے- اولیا و صلحا کے تعلق سے ہمارے یہاں جو ایک عام غلط فہمی ہے کہ صالحین صرف قبروں میں ہیں، حضرت اس نظریے کے سخت مخالف ہیں- فرماتے ہیں کہ مسلمانوں میں ایک طبقہ کلیۃً ولایت کبریٰ کا منکر ہے جبکہ دوسرا طبقہ کلیۃً انکار تو نہیں کرتا لیکن زندوں میں اس کا انکار ضرور کرتا ہے- یہ دونوں طرز فکر اہل سنت و جماعت کے عام اصول و منہاج کے خلاف ہے- بقول کمال خجندی:

مگو ارباب دل رفتند و شہر عشق خالی شد
جہاں پر شمس تبریز است مردے کو چوں مولانا

ساڑھے گیارہ بجے ہمارا جہاز قاہرہ کے لیے پرواز بھر رہا تھا- ۱:۴۰ بجے ہم قاہرہ پہنچ چکے تھے- ایرپورٹ پر مخدوم گرامی حضرت مولانا ابو سعید حسن صفوی، مولانا اظہار احمد ثقافی، مولانا مظفر آفاق ازہری اور دوسرے احباب موجود تھے- تین بجے کے قریب ہمارا قافلہ احمد سعید، عباسیہ میں واقع قیام گاہ پر پہنچ چکا تھا- پہنچنے کے ساتھ ہی ظہر ادا کی گئی- کھانا کھایا گیا اور حضرت خواب گاہ میں استراحت کے لیے تشریف لے گئے-

۱۳؍تاریخ کو ۳؍بجے یعنی ہندوستانی وقت کے مطابق ساڑھے چھ بجے ہم قیام گاہ پہنچ چکے تھے- ۳۰-۳۲ گھنٹے کے طویل سفر نے اعضا کو مضمحل کر دیا تھا- اس لیے اس دن کسی سے ملنے ملانے کا کوئی امکان نہیں تھا لیکن اس کے باوجود عصر کے وقت حضرت بیدار ہوگئے-

ہندوستان اور نیپال کے کئی ایک طلبہ مشتاق دید تھے- ان سے ملاقات ہوئی اور شیخ نے انھیں اپنے ناصحانہ کلمات سے نوازا- یہ بات ذہن نشین رہے کہ شیخ کے لیے ٹارگیٹ گروپ نئی نسل ہے- وہ انھیں کو اسلام اور مسلمانوں کا مستقبل سمجھتے ہیں- اس لیے ان کی دینی وفکری تعمیر وتشکیل پر سب سے زیادہ توجہ فرماتے ہیں- قاہرہ کے لیے روانگی سے پہلے ہی کسی دن حضرت نے اپنی محفل میں ہمارے احباب کے سامنے فرمایا تھا کہ مصر میں ہماری دعوت کے خاص مدعو وہاں کے طلبہ ہیں- وہاں کے علماومشائخ سے ملاقات تو ثانوی ہے؛ کیوں کہ ہندوستان میں دینی وروحانی انقلاب میں معاون وہی طلبہ ہوں گے جو وہاں زیر تعلیم ہیں-

ڈاکٹر شیخ عبد الباقی کا شمار ازہر کی سرکردہ شخصیات میں ہوتا ہے- وہ مجمع البحوث الاسلامیہ (Islamic Reaserch Academy) کے جنرل سکریٹری اور ادارۃ الوافدین جو بیرونی طلبہ کے امور ومسائل کا ادارہ ہے، کے چیرمین ہیں- ۱۴ر فروری کو ان سے ملاقات کا وقت تھا- حضرت داعی اسلام کے ساتھ راقم الحروف کے علاوہ مولانا حسن سعید صفوی، مولانا اظہار احمد ثقافی، مولانا مظفر آفاق ازہری وقت پر حاضر ہوئے- ڈاکٹر موصوف نے ہمارا خیر مقدم کیا- تعلیمی، مذہبی اور مسلکی مسائل زیر بحث رہے- انھوں نے اس بات کی یقین دہانی کرائی کہ ازہر جامعہ عارفیہ کو کتابیں اور اساتذہ فراہم کرے گا اور دونوں اداروں کے بیچ معادلے اور تعلیمی روابط کو بھی ان شاء اللہ منظوری دی جائے گی- ہمارے ساتھ شاہ صفی اکیڈمی جامعہ عارفیہ سے شائع ہونے والے رسائل؛ الاحسان اردو، عربی اور ماہنامہ خضر راہ کے چند شمارے تھے- اس کے علاوہ حضرت داعی اسلام کی دواساز کمپنی شاہی پروڈکٹس کی تیار کردہ اگربتی، چائے اور اس کے علاوہ ایک خوب صورت ''پارکر'' پین تھا- یہ تمام چیزیں ہم نے ڈاکٹر صاحب کو نذر کیں، جیسا کہ بعد میں بھی جن علماومشائخ سے ملاقات ہوئی تقریبا سب کو یہ چیزیں نذر کی گئیں- واضح رہے کہ پچھلے سفر میں بھی حضرت کی ان سے اچھی ملاقات ہو چکی تھی، اس لیے اجنبیت کا احساس نہیں رہا- اسی طرح وہ تمام شخصیتیں پہلے سے مانوس اور مشتاق تھیں جن سے پچھلے سفر میں حضرت کی ملاقات ہو چکی تھی-

ڈاکٹر عبد الباقی صاحب نے حضرت داعی اسلام کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا کہ آپ تصوف کے فروغ میں کوشاں رہیں- تصوف آج امت کی ضرورت ہے- مخالفین تصوف کے تشدد سے پوری امت اسلامیہ اور بطور خاص ازہر اور مصر کو شدید خطرہ لاحق ہے- اس سفر میں کسی ازہری شیخ سے یہ پہلی ملاقات تھی جو آدھے گھنٹے تک نہایت کامیابی کے ساتھ جاری رہی- چلتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے الاحسان عربی کی بڑی تعریف فرمائی- ان سے اگلے شمارے کے لیے لکھنے کی گذارش کی گئی- انہوں نے اسے بخوشی قبول فرمایا اور کہا کہ آئندہ ان شاء اللہ میں ضرور لکھوں گا- مجلس شوریٰ میں ان کے نام کی شمولیت کی درخواست بھی رکھی گئی- انہوں نے اس کا بھی خنداں پیشانی سے خیر مقدم کیا-

اسی دن کلیۃ اللغۃ کے سینئر استاذ ڈاکٹر فتحی حجازی عصر کے وقت حضرت سے ملنے تشریف لائے- ان کا تعلق نقش بندی صوفیہ سے ہے- وہ بلاغت اور نقد کے ممتاز استاذ ہیں- انہوں نے ازہر میں داعی اسلام کی آمد پر نہایت خوشی ومسرت کا اظہار کیا- حضرت سے عرض کی کہ ازہر کا پروفیسر ہونے کی وجہ سے بولنے کی عادت سی پڑ گئی ہے اس لیے مجھے اس حوالے سے معاف رکھیں گے، ورنہ سچی بات تو یہ ہے کہ آپ جیسی عظیم شخصیت کے سامنے زبان کھولنا بے ادبی وگستاخی ہے-

اسی شام بعد نماز عشا دار المقطم قاہرہ میں مقیم شیخ محمد خالد ثابت سے ملاقات ہوئی- خالد ثابت صاحب محبّ صوفیہ ایک معروف ادیب وقلم کار ہیں- دار المقطم کے نام سے خود ان کا اپنا دار الاشاعت ہے- متعدد کتابوں کے مصنف اور بے شمار مضامین کے محرر ہیں- ان کی اپنی ویب سائٹ بھی ہے جس پر ان کی نگارشات موجود ہیں- اپریل ۲۰۰۷ء میں **من اقطاب الامۃ فی القرن العشرین** کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں بیسویں صدی کی تین عبقری شخصیات مصر کے شیخ صالح جعفری، سنگھال افریقہ کے شیخ احمد بمب اور ہندوستان کے عظیم فقیہ امام احمد رضا بریلوی کا ذکر کیا- شیخ محمد خالد ثابت حضرت امام احمد رضا بریلوی سے بے پناہ متاثر ہیں- مصر اور عالم عرب میں بعض لوگوں نے حضرت فاضل بریلوی کے خلاف بہتان طرازی کا جو ماحول بنایا تھا اس کے جواب میں شیخ محمد خالد ثابت کی طرف سے لکھی جانے والی دوٹوک اور بے باک کتاب **انصاف الامام** بے حد مقبول ہوئی-

(جاری ہے)

☆ استاذ: جامعہ عارفیہ، سید سراواں، الٰہ آباد (یوپی)

اس کالم میں آپ سیاسی، سماجی، ادبی، مذہبی اور ملی کسی بھی مسئلہ پر اپنی فکر اور اپنے خیال کا برملا اظہار اور بے لاگ تبصرہ کر سکتے ہیں جو ادارتی نوٹ کے ساتھ شائع کیا جائے گا، واضح ہو کہ اس سلسلے میں آپ کی تحریر مختصر اور جامع ہونی چاہیے.......................(ادارہ)

جادو سر چڑھ کر بولتا ہے

کلیم صدیقی
بشنی پور، بلیا (یوپی)

مکرمی مدیر اعلیٰ! سلام مسنون...... جام نور کا تازہ شمارہ (فروری ۲۰۱۳ء) پیش نظر ہے- یہ دیکھ کر خوشی ہوئی ہے کہ رسالہ پچھلے دس برسوں سے مسلسل اپنے معیار و منہاج کو برقرار رکھے ہوئے ہے- اللہ نظر بد سے محفوظ رکھے- حسب معمول مولانا اسید الحق قادری صاحب اور آپ کے اداریے کو سب سے پہلے پڑھا اور معلومات کا ڈھیر سا خزانہ لے کر اٹھا- قادری صاحب کا مضمون انتہائی معیاری اور تحقیقی ہے- جس سرعت سے انھوں نے اپنے علم و فن اور فکر و شعور کا سکہ اہل علم و نظر کے درمیان بٹھایا ہے، یہ بہت کم لوگوں کے حصے میں آیا ہے- حاسدین اور مخالفین لاکھ ان میں کیڑے نکالیں مگر علم و فن کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے-

آپ کا اداریہ ''تحریک اسلاف شناسی'' بھی بہت خوب ہے- اس قیمتی اور معلوماتی اداریے نے مایوسی کی شب تار سے امید کی کرن پیدا کر دی ہے- امید ہے کہ اس تحریک کے ساتھ برصغیر کے مزید ادارے اور تنظیمیں وابستہ ہوں گی اور یہ تحریک اہل سنت و جماعت میں انقلاب پیدا کرے گی- میں اس تحریک کے لیے مشائخ مارہرہ، وابستہ علمائے کرام، خانوادۂ قادریہ بدایوں، علمائے اشرفیہ اور خصوصاً مولانا یٰسین اختر مصباحی صاحب کو مبارک باد پیش کرتا ہوں- آپ کا مذکورہ اداریہ ماہنامہ ''ماہ نور'' دہلی میں مہمان اداریے کی حیثیت سے شائع ہوا ہے، نیز ماہنامہ ''کنز الایمان'' دہلی نے بھی اسے شائع کیا ہے- میں ان دونوں رسائل کا بھی شکر گزار ہوں کہ انھوں نے اہل سنت کی اس ملک گیر تحریک کی سرگرمیوں سے اپنے قارئین کو واقف کرایا- دعا ہے کہ جام نور افق صحافت پر اپنی کامیابی کا پرچم یوں ہی لہراتا رہے-

خامہ انگشت بہ دنداں ہے اسے کیا لکھیے

وقار احمد
مدھوبنی (بہار)

مکرمی مولانا خوشتر نورانی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ...... امید ہے آپ بخیر ہوں گے- جام نور بابت جنوری ۲۰۱۳ء نظر سے گزرا- ''صحیح بخاری اور رفع یدین: ایک تحقیقی جائزہ'' کے تحت مولانا سیف الدین اصدق چشتی کے مضمون سے متعلق کچھ ملاحظات پیش خدمت ہیں-

ملاحظات و معروضات پیش کرنے سے پہلے قارئین کے اطمینان کی خاطر عرض کر دوں کہ میں بھی حنفی ہی ہوں اور جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے ایام طالب علمی میں مضمون نگار جناب سید سیف الدین اصدق چشتی میرے جونیر رہے ہیں- بھلے ہی وہ مجھے نہ جانتے ہوں، لیکن ان کا قد و قامت، خد و خال، چہرہ بشرہ اور حسن و جمال اٹھارہ برس بیتے اب بھی میری نظروں میں دھندلا نہیں ہوا ہے-

موصوف سے مجھے قطعاً یہ شکوہ نہیں کہ انہوں نے رفع یدین کے موضوع پر خامہ فرسائی کی زحمت فرمائی، ملال اس بات کا ہے کہ ''کھیت کھائے گدھا، مار کھائے چرواہا'' کے مصداق انہوں نے معتد بہ زور قلم صحیح بخاری اور امام بخاری کے مقام و مرتبے کو مجروح کرنے پر صرف کر دیا، جب کہ مختلف فیہ مسئلہ اور اس کے مؤیدین ہی ان کی عنایتوں کے بہتر مستحق تھے-

جام نور میں شائع شدہ ان کے مضمون کے دوسرے صفحے پر (جام نور کا صفحہ نمبر ۴۸) موصوف رقم طراز ہیں: ''واضح رہے کہ امام بخاری علیہ الرحمہ نے جو ابواب قائم کیے، عنوان منتخب کیے، وہ احادیث نہیں، بلکہ امام بخاری کی رائے ہے اور امام بخاری کی رائے کو امام اعظم کی رائے پر ترجیح نہیں دی جاسکتی، کیوں کہ امام بخاری محدث اور جامع الاحادیث تو ہیں، لیکن امام اعظم ابوحنیفہ کی طرح فقیہ و مجتہد نہیں'' -اسی صفحے پر چند سطور کے بعد موصوف فرماتے ہیں: ''علامہ سخاوی، علامہ ابن عابدین شامی، محدث جلیل شیخ نور الحق بن شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور ماضی قریب کے معروف عالم دین شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی اپنی شرح بخاری ''نزہۃ القاری'' میں لکھتے ہیں: ''امام بخاری مجتہد مطلق تھے اور صحیح بخاری کی تصنیف سے امام بخاری کا اہم مقصد احادیث سے مسائل کا استنباط ہے- اسی مقصد کے لیے انہوں نے ہر حدیث پر باب باندھا ہے، لیکن اس میں بھی ان سے لغزش ہوئی ہے اور اس لغزش کی تعداد بہت زیادہ ہے-''

مذکورہ بالا سطور کے بعد کتے کے جوٹھے کی طہارت اور لعاب کے سلسلے میں امام بخاری کے اجتہادی نقص کو بیان کرنے کے بعد موصوف لکھتے ہیں: ''اور امام بخاری کے احوال میں آتا ہے کہ بخارا کی رائے عامہ امام بخاری کے خلاف اس وجہ سے ہوئی کہ وہ اپنے مستخرج اس قسم کے مسائل عوام کو بتانے لگے، حالاں کہ امام ابوحفص کبیر نے امام بخاری کو اس سے منع فرمایا تھا کہ وہ مسائل نہ بتائیں، صرف احادیث کا درس دیں- مگر امام بخاری نہیں مانے اور انہوں نے اپنے اجتہاد سے جو مسائل استنباط فرمائے تھے، ان کو پھیلانا شروع کیا، جس سے عوام میں شورش پیدا ہوگئی-''

ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہیے خامہ انگشت بہ دنداں ہے اسے کیا لکھیے

امام بخاری نہ ہوئے، طفل مکتب ٹھہرے- کبھی محدث اور جامع الاحادیث ٹھہرایا جاتا ہے تو کبھی مجتہد مطلق کے منصب رفیع پر سرفراز کردیا جاتا ہے اور کبھی یہ توقع کی جاتی ہے کہ بہرحال انہیں امام ابوحفص کبیر کا حکم ماننا ہی چاہیے تھا، بصورت دیگر عوام میں شورش پیدا کرنے کے مجرم قرار پائے- گویا وہ مجتہد نہ ہوئے مبتدع ہوگئے- بہتر ہوتا اگر مذکورہ شورش کی نوعیت بھی بیان کردی جاتی، تاکہ آج کا انصاف پسند منصف فرد جرم عائد کرنے میں آپ کا مرہونِ احسان ہوتا-

''اصح کتب بعد کتاب اللہ کی توضیح'' کے عنوان کے تحت موصوف نے لکھا ہے: ''اب اس کا مطلب یہ ہوا کہ حدیث کی دوسری تمام کتابوں کی بہ نسبت اس میں زیادہ صحیح حدیثیں ہیں- ضعیف حدیثیں کم ہیں- نیز اس کی احادیث صحت کی قوت میں بہ نسبت دوسری کتابوں کے زائد ہیں- یہ مطلب ہرگز نہیں کہ بخاری کے علاوہ یا صحاح ستہ کے علاوہ حدیث کی بقیہ کتابوں کی احادیث، احادیث نہیں، بلکہ من گھڑت افسانے ہیں-''

معافی ملے تو عرض کروں کہ جشن منایا جائے تو افتتاح بخاری اور ختم بخاری کا، شرح لکھی جائے تو بخاری کی، اعزاز و اکرام سے نوازا جائے تو شارح بخاری کو، اعتراف کیا جائے تو بخاری کی صحیح حدیثوں کی کثرت کا، قوت صحت کو سند بخشی جائے تو بخاری کی حدیثوں کی، لیکن جب استدلال کی بات آئے تو یہ کہا جائے کہ بخاری کی یہ حدیث اور اس جیسی دوسری حدیثیں دیگر کتب میں درج احادیث سے منسوخ ہیں اور حوالے یاد آئیں شرح معانی الآثار کے، ابوداؤد اور ترمذی کے- سبحان اللہ! بخاری کی احادیث کو آپ نے بھی تو افسانہ بنا ڈالا- بخاری شریف کے ساتھ یہ دہرا رویہ ناقابل فہم ہے- دعوئ نسخ کے ساتھ زمان ورود و علت تنسیخ بھی مذکور ہونی چاہیے تھی، کیا وجہ تھی کہ ابتدأ شرع محمدی میں رفع یدین معتبر تھا اور کس علت کی وجہ کر اسے منسوخ قرار دیا گیا-

بات دو دو چار کی طرح واضح ہونی چاہیے کہ رفع یدین سنت ہے یا خلاف سنت؟ سنت ہونا ثابت ہے اور خلاف سنت ہونا محتاج دلیل و موجب مواخذۂ امام شافعی و احمد بن حنبل ہے- اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ جو لوگ عدم رفع یدین کے قائل و عامل ہیں ان کا موقف مخالف سنت ہے، بلکہ اس قسم کے سنن و مستحبات بہر دو صورت مسموح و مقبول اور مجاز و مباح ہیں- زیادہ سے زیادہ ان کے درمیان افضل و مفضول اور راجح و مرجوح کی نسبت ہوسکتی ہے- رہی بات امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کی تو اس سے احناف کو اگر تعاضد حاصل ہوسکتا تو یاد رہے کہ امام موصوف ارسال یدین کے بھی قائل و عامل ہیں- جہاں تک بات ہے وہابیت کی ترویج و اشاعت کے لیے اس قسم کے فروعی مسائل کے غلط استعمال کی تو اس کی روک تھام کے لیے مثبت طریقے اختیار کیے جانے چاہئیں- یہ کیا بات ہوئی کہ اگر کسی نے اپنے موقف کی تائید کے لیے ایک حدیث کو اپنایا اور دوسری کو رد

کر دیا تو ہم بھی ویسا ہی طرز عمل اختیار کریں اور اپنے موقف سے الگ دیگر احادیث کو رد کر دیں، یہاں تک کہ امام بخاری کی شخصیت کو بھی مجروح کرنے سے دریغ نہ کریں- ایسی صورت میں تو ہم انکار حدیث میں وہابیوں سے بھی دو قدم آگے نکلتے نظر آرہے ہیں- مذکورہ مضمون کے جملوں میں ترکیب ''رفع یدینی'' موہم اہانت احادیثِ رفع یدین ہے، اس پر بھی نظر ثانی کی جانی چاہیے- رفع یدین کوئی جرم نہیں جس کے لیے اہانت آمیز لہجہ استعمال کیا جائے-

عربی کی ایک کہاوت کا مفہوم ہے ''بیوی سے جھگڑا ہو تو شوہر اپنا آلۂ تناسل بُرید نہیں کرتا'' خرابی یا بیماری کا مثبت علاج کیا جائے نہ یہ کہ اس کی ضد میں اس سے بھی بڑی خرابی یا بیماری پیدا کر لی جائے- چوں کہ یہ خط نصح و خلوص پر مبنی ہے، اس لیے اس کے جواب اور پھر جواب الجواب کی امید مجھ سے نہ رکھی جائے-

زنا کے بڑھتے واقعات اور ان کا سدّ باب!

محمد عابد چشتی
مرکز الثقافۃ السنیہ، کالی کٹ (کیرلا)

کسی موقعے پر علامہ اقبالؔ نے کہا تھا: ''وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ''
یعنی اگر عورت کا وجود نہ ہوتا تو یہ دنیا بے ذوق رہ جاتی- عورت کی یہی کشش، شوخی، نازکی اور حسن و جمالی کی یہی نعمت اس کے جسمانی استحصال و اذیت کا سبب ہمیشہ سے بنتی رہی ہے جس کا سلسلہ آج بھی جاری ہے، اگر چہ اس کے طریقے اور عنوان ہر دور میں بدلتے رہے ہیں، اس حقیقت سے کسی کو انکار کی گنجائش نہیں ہے کہ پہلے جب مردوں کی فکر و سوچ پر حاکمیت کے عناصر غالب تھے اور طبقۂ نسواں کے متعلق ان کی معلومات و عقائد بہت ہی سطحی تھے اس دور میں جہاں عورت کا استحصال، لونڈی، خادمہ، داسی، کنیز کی صورت میں تھا تو زمانہ مابعد ترقی میں وہی استحصال، فیشن، گلیمرس اور آزادی جیسے جدید عنوان کے بینر تلے ہو رہا ہے-

قدیم زمانے کی بات گزرتے وقت کے ساتھ ہمارے ماضی کا حصہ بن گئی اور ہم اسے ایک تاریک دور سمجھ کر بھول جانا چاہتے ہیں مگر موجودہ الیکٹرانک ترقی کے اس دور میں جب کہ عورتوں کے فطری حقوق اور اور ان کو سماج میں مستقل رکنیت دلانے کے لیے پوری دنیا میں کوششیں چل رہی ہیں عورتوں کا جنسی استحصال کس قدر تشویش ناک صورت اختیار کر چکا ہے اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ امریکہ جیسے حقوق نسواں کے اولین علمبردار ملک میں ۲۰۱۲ء کے صرف آٹھ مہینہ میں ایک لاکھ سے زائد زنا بالجبر کی واردات ریکارڈ میں آئی ہیں اور اگر بات ہمارے ملک ہندوستان کی کی جائے جہاں عورتوں کو دیویوں کا درجہ دیا جاتا ہے اور عام لوگوں سے لے کر بڑے بڑے مذہبی اور سیاسی رہنما تک کنیا (نابالغ بچی) کے قدم چھو کر ان کے تئیں اپنے اخلاص اور عقیدت کا برملا اظہار کرتے ہیں تو نیشنل کرائم ریکارڈ بیورو کے مطابق ہمارے ملک میں ہر بیس منٹ میں ایک زنا بالجبر کا تناسب ریکارڈ کیا گیا ہے، جب کہ صرف راجدھانی دہلی جہاں دیگر ریاستوں کے بہ نسبت اعلیٰ سکیورٹی اور جدید حفاظتی سہولیات کی قابل لحاظ فراہمی ہے وہاں سال بھر میں ۵۷۲ سے زائد کیس درج کیے جا چکے ہیں- یہ صرف ایک دو ملکوں کا حال ہے اگر عالمی سطح پر زنا کا تناسب دیکھا جائے تو ہر ایک منٹ میں جنسی استحصال کی کئی واردات انجام پا رہی ہیں اور یہ شکار ہونے والی جہاں جوان عمر اور نوخیز دوشیزائیں ہیں وہیں تین تا پانچ سال کی انتہائی کمسن بچیاں بھی ہیں، جبکہ سینکڑوں واقعات ساٹھ سے ستّر سال کی بوڑھی عورتوں کے ساتھ بھی پیش آچکے ہیں اور نہ صرف یہ واقعات زمانے کی رفتار کے ساتھ تیز ہوتے جا رہے ہیں بلکہ اب یہ جارحانہ صورت اختیار کرتے جا رہے ہیں- حال ہی میں رونما ہوئے دلّی کے واقعے کی روح فرسا کہانی ہمارے سامنے ہے، جس کی درندگی اور حیوانیت کو دیکھ کر عوام کو اس کے خلاف سڑکوں پر آنا پڑا، ذہنی عیاشی اب اس قدر خطرناک رخ اختیار کر چکی ہے کہ ہمیں پھر سر جوڑ کر اس کے ممکنہ حل کی ممکنہ تدابیر پر سوچنا ہوگا، نیز اس بات کو بھی از سر نو زیر بحث لانا ہوگا کہ آئین ہند میں آخر وہ کون سی کمی ہے جو ایسے واقعات روکنے میں ہم صدفی صد ناکام اور بے بس ہیں؟

رہی بات تجاویز کی تو اس سلسلے میں مفکرین اور مبصرین کے درمیان اختلافات پائے جا رہے ہیں- ایک طرف مذہبی مفکرین جہاں زنا کی سزا

میں سختی کے ساتھ ساتھ عورتوں کے تعلق سے بھی کچھ احتیاطی قوانین بنائے جانے کے حق میں ہیں، وہیں دوسری طرف مغرب پسند سماجی تنظیمیں جن میں میڈیا کا کردار ہراوّل دستے کا ہے، عورت پر کسی قسم کی پابندی کے حق میں نہیں ہیں- انھیں نہ تو عورتوں کا برقعہ پہننا پسند ہے اور نہ ہی وہ ہزاروں مردوں کے درمیان عورتوں کے بکنی پہننے کے مخالف- اسے نہ صرف شخصی آزادی کے خلاف کہا جارہا ہے بلکہ عوام تک اسی فکر کو میڈیا پہنچا رہا ہے حالانکہ میڈیا بھی اچھی طرح جانتا ہے کہ اس طرح کی تجاویز جرم روکنے کے لیے ناکافی ہیں- حقیقت یہ ہے کہ اب میڈیا اپنے عمل میں قطعی مخلص نہیں رہ گیا ہے- حالات کی تہہ میں پہنچ کر حقائق کی صحیح پیش کش اور تجزیہ کے بجائے عوامی رجحان اور دباؤ کے مطابق اپنی فکر کا تعین کر رہا ہے تاکہ عوامی غم و غصّہ سے وہ محفوظ رہے- آپ دیکھیں کہ سنگر (Singer) یو یو ہنی سنگھ Yu Yu Honey singh غیر مقبول تھا، مگر اس کی مقبولیت اس وقت آسمان پر پہنچ گئی جب اس نے ایک نہایت اوچھا قسم کا گانا گایا جس کے پہلے بول تھے ''میں ہوں بلاتکاری'' یعنی میں زانی ہوں، اس وقت نہ میڈیا نے کچھ کہنا مناسب سمجھا اور نہ ہی سماجی تنظیموں نے، اس لیے کہ عوامی رجحان اس کی خاموش تائید کر رہا تھا، مگر دلی کے واقعے کے بعد جب کچھ لوگوں نے یو یو ہنی سنگھ کے اس گانے کے خلاف آواز اٹھائی اور مخالفین میں اضافہ شروع ہوا تو اب وہی میڈیا صف اول میں یہ کہتا نظر آرہا تھا کہ یو یو ہنی سنگھ کا یہ گانا دراصل ہر عورت کا لفظی بلاتکار ہے، جس کو چیلنج کیا جانا چاہیے- یہ ہے میڈیا کی اصل تصویر جس کی نقاب کشائی از حد ضروری ہے- خیر اب تک جتنی تجاویز ماہرین قانون ونفسیات کی طرف سے سامنے آئی ہیں ان سب کا تعلق مردوں پر سختی اور سزاؤں کی زیادتی سے ہے، مگر عورتوں کے تعلق سے کوئی ایسا قانون پیش نہیں کیا گیا ہے، جس سے زنا کی روک تھام میں جنس مخالف کا بھی سپورٹ مل سکے، بلکہ جنھوں نے اس تعلق سے کچھ لب کشائی کی بھی ہے تو ان کو منھ کی کھانی پڑی- معروف لیڈر ابو عاصم اعظمی نے جب یہ رائے پیش کی کہ ''ظالموں پر سختی کے ساتھ ساتھ ننگا پن بھی ختم ہونا چاہیے اور لڑکیوں کے چھوٹے لباس پر بھی پابندی لگنا چاہیے'' تو نہ صرف میڈیا نے انہیں اپنی مردانگی پر شک کرنے والا کہا، بلکہ خود ان کے بیٹے فرحان نے یہاں تک کہہ ڈالا کہ ''جو شخص اس طرح کا بیان دے وہ میرا باپ ہو ہی نہیں سکتا'' حالانکہ زمینی حقیقت یہی ہے کہ عورتوں کے احتیاط کے بغیر ہم اس جرم پر قابو نہیں پا سکتے ہیں، اس لیے کہ ''احتیاط'' جرم روکنے کا ایک لازمی عنصر ہے-

چوری ایک جرم ہے، جس کی روک تھام کے لیے قوانین اور سزاؤں کے ساتھ ہر شہر اور گاؤں میں حکومتی پہریداروں کا بھی انتظام ہے، اس قدر حفاظتی انتظامات کے باوجود ہمارا عمل یہ ہے کہ جب ہم گھر سے باہر نکلتے ہیں اگر چہ بازار تک جانا ہو تو اپنے گھر میں اندر سے لے کر باہر تک خاص کر تجوری میں کئی تالے جڑ دیتے ہیں، حالانکہ نہ حکومت اس کے لیے آپ پر دباؤ بناتی ہے اور نہ ہی یہ قانون میں داخل ہے، بلکہ یہ وہ عمل ہے جسے ہم اپنی زبان میں ''احتیاطی تدبیر'' کہتے ہیں، اب اگر کوئی سر پھرا یہ کہے کہ یہ تو آپ کی شخصی آزادی پر قدغن لگانے کے مترادف ہے کہ آپ بغیر تالا لگائے بازار تک نہیں جا سکتے، اس کے خلاف آواز اٹھانی چاہیے اور حکومت سے مطالبہ کرنا چاہیے کہ وہ ہمیں کامل تحفظ فراہم کرے، چوروں کے لیے قانون سخت کرے اور سکیورٹی میں اضافہ کرے تاکہ ہم تالا لگانے کی احتیاطی تدبیر سے نجات پا کر کھلم کھلا دروازہ چھوڑ کر کہیں بھی آ جا سکیں- عقلی اور استدلالی حیثیت سے تو اس سر پھرے کی بات میں کچھ دم معلوم ہوتا ہے، مگر اس کی بات اگر مان لی جائے اور ہم اس احتیاطی تدبیر کو چھوڑ دیں تو ہمارے گھر کا حشر کیا ہوگا، بتانے کی ضرورت نہیں ہے- اب اسی مثال کو ہم اپنے موضوع کی طرف لے جا کر یہ کہتے ہیں کہ زنا کے سدِ باب میں جہاں دیگر حکومتی قوانین کا مطالبہ ہو رہا ہے وہیں عورتوں کو چاہیے کہ نجی طور پر کچھ احتیاط برتیں، مثلاً چھوٹے کپڑے نہ پہنیں، اجنبی لڑکوں سے دوستی سے پرہیز کریں وغیرہ، اس طرح یہ حکومت کے ساتھ آپ کا تعاون ہوگا اور اسے آزادی کے خلاف سمجھنا ویسی ہی احمقانہ سوچ ہے جس طرح تالا لگانے کو کوئی آزادی کے خلاف تصور کرے، فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے-

اسی کے ساتھ ساتھ اب ہیجان انگیز فلم، اشتہارات اور میگزین کے متعلق بات کرنا بھی ضروری ہے، جو سادہ سے سادہ ذہنوں میں طوفان برپا کر رہے ہیں، جن میں لڑکیوں کو ''آئٹم گرل'' یعنی خرید و فروخت کی چیز کے طور پر پیش کیا جارہا ہے- ہمارے سماج کو ننگا اور بے حیا کرنے میں ان کا دخل کچھ کم نہیں ہے- مرڈر (Murder)، دی ڈرٹی پکچر (The Dirty Picture) اور جسم ٹو (Jism-2) جیسی فلمیں جب تک ہمارے درمیان ریلیز ہوتی رہیں گی اس وقت لوگوں کی فکری تطہیر کرنا بہت مشکل ہے- اب وقت آ گیا ہے کہ ہم اس پورے سسٹم کے خلاف مہم چھیڑیں جنھوں نے

عورت کو تجارت کے فروغ کا ذریعہ بنالیا ہے-اب اخیر میں زنا کے سدِ باب کی پیش کردہ تجاویز کا مختصر ذکر کر کے رخصت چاہتا ہوں-حکومتی سطح پر یہ انتظامات ہوں:

(۱) زانی کی سزا میں سختی ہو (۲) حفاظتی انتظامات میں اور تیزی لائی جائے (۳) گندے اور سیکس اپیل کرنے والے اشتہارات پر پابندی لگے (۴) فلموں میں کھلے عام جنسی مناظر پر بالکلیہ پابندی ہو-

اور ہماری ماں بہنیں مندرجہ ذیل احتیاط اپنائیں:

(۱) گھر سے ایسا لباس پہن کر نکلیں جو جسم کی غیر ضروری نمائش سے بچائے (۲) بلا ضرورت باہر نہ جائیں (۳) اجنبی لڑکوں سے دوستی سے پرہیز کریں خاص کر سوشل نیٹ ورکنگ سائٹ پر (۴) مردانہ چست لباس پہننے کے بجائے خود کے خاص لباس میں اعتماد پیدا کریں-

اگر ان قوانین اور مفید مشوروں پر عمل ہو جائے تو ہم بہت جلد ایک صاف ستھرا اور شفاف ماحول بنا سکتے ہیں، بصورت دیگر ہم قیامت تک یوں چیخ و پکار اور فکری توانائیاں صرف کرتے رہیں گے، مگر نتیجہ صفر ہی رہے گا-

اسلاف شناسی کی تحریک خوش آئند ہے

فہیم قادری
نعمت پور، ضلع مراد آباد (یوپی)

مولانا خوشتر نورانی صاحب! سلام مسنون .... امید ہے کہ آپ بخیر ہوں گے-ہمیشہ کی طرح اس بار بھی آپ کا گلدستۂ معلومات "جام نور" مطالعے کی میز پر ہے-پانچ سال سے مسلسل جام نور کا قاری ہوں، لیکن مجھے ندامت ہے کہ آج تک اپنے احساسات آپ تک نہیں پہنچا سکا-ساتھ ہی خوشی بھی ہے کہ پہلی بار آپ کی بزم میں شرکت کی سعادت حاصل کر رہا ہوں-فروری کا جام نوش کیا، مختلف قسم کی معلومات فراہم ہوئی-مولانا اسید الحق قادری صاحب کا "قصیدۂ بانت سعاد: ایک مطالعہ" یقیناً معلوماتی ہے-حسب معمول انھوں نے اپنے موضوع کے ساتھ بھر پور انصاف کیا ہے-حقیقت تو یہ ہے کہ اس موضوع پر اتنی تفصیلی تحریر آج تک نظروں سے نہیں گزری-محمد ثاقب رضا صاحب نے بھی اپنی خاکستر کی چنگاری کو خوب روشن کیا ہے- جام نور کے پلیٹ فارم سے ہمارے فراموش کردہ اکابر کی حیات و خدمات کو متعارف کرانے کا جو سلسلہ انھوں نے شروع کیا ہے، وہ قابل ستائش ہے-سکہ بند اسلوب اور خوبصورت پیرائے میں معلومات سے بھرپور آپ کا اداریہ "تحریک اسلاف شناسی" پڑھنے کے بعد دل خوش ہوا، ہمت بڑھی، مایوسی ختم ہوئی اور پتہ چلا کہ ہمارے یہاں بھی ہر میدان میں کام ہو رہا ہے-تحریک اسلاف شناسی بجائے خود ایک بہت بڑا کارنامہ ہے-افسوس کہ چند لوگوں کی منفی ذہنیت، اختلافی مزاج، خودنمائی اور ذہنی انتشار نے ملت کے عظیم علما و مشائخ کو متعارف کرانے کا موقع ہی نہیں دیا-

یہ بھی عجیب بات ہے کہ ہمارے یہاں جمود اس وقت ٹوٹتا ہے جب دوسرے مسالک سے وابستہ افراد بہت آگے نکل جاتے ہیں، اہل فکر و دانش کی فرزانگی اس وقت بیدار ہوتی ہے، جب پانی سر سے اوپر ہو جاتا ہے-ہماری یہ تساہلی کسی ایک میدان میں نہیں، بلکہ ہر جگہ ہمارا یہی حال ہے-کچھ اسی طرح کی غفلت و سستی اس میدان میں بھی ہوئی ہے-ورنہ تاریخی جھرونکوں سے دیکھیے تو ہماری جماعت میں ایسے ایسے عظیم اہل فکر و فن اور جلیل القدر علما و مشائخ نظر آئیں گے، جن کے بے لوث علمی و فکری کارنامے ملت اسلامیہ کے لیے عظیم سرمایہ ہیں-مگر یہ گراں قدر علمی خزانہ ہماری زود فراموشیوں کا شکار ہوتا رہا-اگر آپ کسی فارغ التحصیل سے ان علمی شخصیات اور ان کے کارناموں کی مختصر فہرست معلوم کریں تو زبان خاموش ہو جاتی ہے-لہذا مجھے یہ کہنے میں کوئی تأمل نہیں کہ اس ماحول میں "تحریک اسلاف شناسی" کے تحت ملت کے نامور علمی جیالوں سے آگاہی و شناسائی کا جو سلسلہ شروع ہوا ہے، وہ بہت خوش آئند ہے-یاد رہے کہ اگر اس مشن کو درخور اعتنا نہ سمجھ کر درمیان میں چھوڑ دیا گیا تو اسلاف شناسی کا یہ خوش کن انقلاب غفلت و فراموشی کے سمندر میں گم ہو جائے گا اور آنے والی نسلیں اس مجرمانہ غفلت کے لیے ہمیں کبھی معاف نہیں کریں گی-

□□□

روحانی نظام کے احیا سے دہشت گردی کا خاتمہ ہوسکتا ہے

دائرۃ المعارف العثمانیہ کے ڈائرکٹر اور شعبۂ عربی جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کے استاذ پروفیسر محمد مصطفیٰ شریف سے خصوصی گفتگو

پروفیسر محمد مصطفیٰ شریف (پیدائش:۱۹۵۷ء) دنیائے علم و تحقیق اور تصوف کا ایک معتبر نام ہے- ہندوستان میں جو لوگ بیک وقت دینی و عصری علوم و زبان کی تدریس و ترویج میں سرگرم ہیں، ان میں آپ کا نام سرفہرست ہے- آپ کی تیس سالہ علمی، تحقیقی اور تدریسی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے- فی الوقت آپ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد میں عربی بورڈ آف اسٹڈیز کے چیرمین اور شعبۂ عربی کے پروفیسر ہیں اور ہندوستان کا اہم تحقیقی ادارہ ''دائرۃ المعارف العثمانیہ'' کے ڈائرکٹر بھی- اس سے قبل ۲۰۰۵ء سے ۲۰۰۷ء اور پھر ۲۰۱۰ء سے ۲۰۱۲ء تک عثمانیہ یونیورسٹی کے شعبۂ عربی کے صدر بھی رہے- ان کے علاوہ متعدد حکومتی اور غیر حکومتی اداروں اور شعبوں میں کئی اہم عہدوں پر فائز ہیں- اب تک آپ کی زیر نگرانی ۲۵؍ ایم فل اور ۸؍ پی ایچ ڈی کے لیے مقالات لکھے جاچکے ہیں- آپ ایک درجن سے زائد کتابوں کے مصنف اور مترجم بھی ہیں، نیز ہندوستان کی مختلف یونیورسٹیز میں وزیٹنگ پروفیسر کی حیثیت سے بھی وابستہ رہ چکے ہیں- آپ نے اب تک کئی اہم موضوعات پر نہ صرف اہم ملکی و بین اقوامی سیمیناروں میں شرکت کی ہے، بلکہ یونیورسٹی کی سطح پر متعدد سیمینارز بھی منعقد کرچکے ہیں- پچھلی ایک دہائی سے آپ ٹیلی ویژن سے بھی وابستہ ہیں- اس ضمن میں ۲۰۰۲ء سے مسلسل ای ٹی وی اردو پر آپ کے دینی و روحانی پروگرامز نشر ہورہے ہیں، جب کہ چینل ''زی سلام'' میں تصوف پر ۴۰؍ سے زائد ایپی سوڈ میں آپ کا پروگرام نشر ہو چکا ہے- عربی زبان اور تصوف کے حوالے سے حال ہی میں ہم نے آپ سے گفتگو کی، جس کے اہم اقتباسات پیش ہیں ——— **خوشتر نورانی**

جام نور: عربی زبان وادب سے آپ کا گہرا رشتہ ہے، ہندوستان میں اس زبان پر عبور حاصل کرنے کے بعد علمی و معاشی ترقی کے امکانات کتنے ہیں؟

پروفیسر مصطفی شریف: تمام غلامان رسول اور بالخصوص حضور نبی کریم ﷺ سے عشق ومحبت کا اظہار کرنے والوں کے لیے عربی زبان سیکھنے سکھلانے اور اس سے محبت کرنے کی ضرورت ہے، کیوں کہ محبوب کی ہر چیز محبوب ہوتی ہے- حضور ختمی مرتبت علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے: احبوا العرب لثلاث : لأنّی عربی، والقرآن عربی ، وکلام اھل الجنۃ عربی-''

(کشف الخفا، ج:۱، ص:۵۵ نقلا عن رسالۃ الدکتورات للاستاذ محمد سلطان محی الدین المفقود لہ)

وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوماً لسلمان الفارسی رضی اللہ عنہ: احب العرب لثلاث : قرانک عربی، ونبیک عربی ولسانک فی الجنۃ عربی-''

(نقلا عن رسالہ الدکتورات للاستاذ المذکورہ اعلاہ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

''من تکلم بالعربیۃ کتب کلامہ کلہ ذکراً-''

(مسند فردوس للدیلمی، ص:۲۸۹)

مذکورہ بالا احادیث شریفہ وآثار شریفہ سے عربی زبان کی اہمیت و فضیلت کا پتا چلتا ہے- مذکورہ بالا تینوں اقتباسات سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ حضور پرنور شافع یوم النشور کی محبت کا تقاضۂ اولین ہے کہ نہ صرف عربی زبان سیکھے، بلکہ اس سے عشق اور قلبی لگاؤ بھی ضروری ہے-

یہ عاجز عربی زبان وادب کا ادنیٰ طالب علم ہے اور تیس سالہ تدریسی تجربہ بتلا رہا ہے کہ ہندوستان میں مع عربی زبان کا مستقبل نہایت روشن ہے اور ہونا ہی چاہیے، کیوں کہ یہ وہ سرزمین ہے، جہاں اللہ کے نبی حضرت آدم علیہ السلام تشریف لائے اور یہیں سے عملاً عربی زبان کا آغاز ہوا- واللہ اعلم بالصواب-

ہندوستان سے عربی زبان کا رشتہ بہت قدیم ومتین ہے- اولاً اس کو مذہبی ودینی زبان کا درجہ حاصل تھا- ثانیاً پٹرول کے ظہور کے بعد نہ صرف ہندوستان، بلکہ ساری دنیا میں یہ اقتصادی زبان کا درجہ حاصل کرلی، جس کی وجہ سے چین جیسے ملک میں بھی عربی زبان کی تدریس و تعلیم کا اہتمام کیا جارہا ہے- ثالثاً اکیسویں صدی میں یہ زبان اللغۃ الاستراتیجیۃ Strategic language کی حیثیت اختیار کرلی ہے، جس کو مختلف سیاسی اور استعماری اغراض کے لیے استعمال کیا جارہا

ہے- حالات کچھ ہوں، شر سے خیر نکلتا ہے-

بھلا آدمی تو عربی زبان کا ہی ہے کہ.......ع

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

بین الاقوامی کمپنیوں کی شروعات اور BPO کے فروغ نے عربی زبان کی ترقی و ترویج کے امکانات کو روشن کر دیا ہے- اب ہم غلامان مصطفیٰ ﷺ کی ذمہ داری ہے کہ اس زبان کو سینے سے لگائیں تاکہ دنیاوی و اخروی فوائد سے سرفراز ہوں- یہ ایک زمینی حقیقت ہے، جس سے انکار ممکن نہیں ہے- دنیا کی چار زبانیں ایسی ہیں کہ جن کا ماہر کبھی پریشان نہیں ہو سکتا ہے، وہ زبانیں یہ ہیں: انگریزی، عربی، فرانسیسی، اسپانش- ان زبانوں کے جاننے کے بعد کامیابی و کامرانی اس کے قدم چومنے کے لیے تیار رہے-

مختصراً گلوبلائزیشن کے اس مقابلہ آرا دور میں نہ صرف ہندوستان میں، بلکہ سارے عالم میں عربی زبان کے ذریعے علمی و معاشی ترقی کی جا سکتی ہے-

جام نور: عربی زبان کی طرف علمائے اہل سنت کا رجحان ہمیشہ سے کم رہا ہے، جس کی وجہ سے بلاد عربیہ سے ان کے روابط بھی کمزور رہے، آپ کی نظر میں علمی اور دعوتی سطح پر اس کے کیا نقصانات ہوئے؟

پروفیسر مصطفی شریف: آپ کی رائے سے میں صد فیصد متفق ہوں- اولاً ہمارے دینی جامعات کا نصاب کچھ اس طرح وضع کیا گیا ہے، جس کو عرب دنیا کے نصاب سے کوئی نسبت نہیں ہے- یہاں منطق و فلسفے کا اب بھی اثر باقی ہے- جب کہ منطق و فلسفہ عرب دنیا میں آج بھی شجر ممنوعہ ہے- ظاہر سی بات ہے کہ یہاں کے فارغین کو عرب جامعات میں آسانی سے داخلہ نہیں مل سکتا ہے، اس لیے اب بجائے فلسفہ و منطق کے، عربی زبان و ادب پر ہماری توجہ مرکوز ہونی چاہیے- پھر یہ بات بھی بڑے افسوس کی ہے کہ ارباب اہل سنت کا کوئی ادبی ترجمان، نہ ہی سالانہ، نہ ششماہی اور نہ ماہانہ اب تک منظر عام پر آسکا، تو کس طرح عرب دنیا میں آپ متعارف ہو سکیں گے-

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ قرون اولیٰ میں بلکہ نصف صدی تک علمائے اہل سنت کے عربوں سے بہت گہرے مراسم تھے، یہی وجہ تھی کہ حدیث شریف کو محدث ہند، محقق علی الاطلاق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ہندوستان میں متعارف کرایا اور اس طرح روحانی مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ حرمین شریفین کے علما سے راست استفادہ کر کے عربی علوم کو ہندوستان میں منتقل کیا- اسی طرح آج بھی ان رشتوں کو عربی زبان کے ذریعے مستحکم و مضبوط کیا جا سکتا ہے-

اس ضرورت کے پیش نظر ہمارے مدارس کا تدریسی نظام قابل اصلاح ہے- آج بھی بہت سے بڑے مدارس میں صرف قراءت و سماعت پر اکتفا کیا جاتا ہے- تدریس میں نہ نفسیات کا لحاظ رکھا جاتا ہے اور نہ طلبہ کی دلچسپی کا- دینی جامعات کے اساتذہ فراغت کے بعد راست مسند تدریس پر فائز ہو جاتے ہیں، ان کو نہ تدریسی مشق کرائی جاتی ہے اور نہ ہی اس کو ضروری سمجھا جاتا ہے، جس کی وجہ سے سالوں عربی سے رشتے کے باوجود عربی زبان نہ لکھ سکتے ہیں اور نہ پڑھ سکتے ہیں- رہی بات عربی زبان میں گفتگو کرنا تو یہ خارج از امکان ہے-

ضرورت اس بات کی ہے کہ عصری جامعات کے خطوط پر اساتذہ کی باضابطہ تربیت کی جائے اور نصاب پر ہر پانچ سال میں ایک مرتبہ نظر ثانی کی جائے، تاکہ بدلتے حالات سے ہم آہنگی ہو سکے-

جام نور: دینی مدارس میں پڑھنے والے طلبہ کی زبان عربی میڈیم ہونے کے باوجود انھیں عربی لکھنے، پڑھنے اور بولنے پر قدرت نہیں ہوتی، اس کی کیا وجہ ہے؟

پروفیسر مصطفی شریف: اس سوال کا جواب اوپر گزر چکا ہے- پھر بھی آپ کی توجہ اس بات کی طرف دلانا چاہتا ہوں کہ ہمارے جماعت میں "حوار" کا نظام قائم کیا جائے اور کثرت سے بورڈ کا استعمال کیا جائے- کم از کم ایک مرتبہ اساتذہ و طلبہ سمپوزیم، سیمینار یا لیکچر میں جمع ہو کر عربی زبان میں مقالے و مواعظ پیش کریں اور پھر سوالات و جوابات کا بھی اہتمام کریں-

عربی زبان میں طلبہ کی مہارت کے لیے ماحول پیدا کرنا ضروری ہے، جو آج کے حالات میں آسان ہے- انٹرنیٹ اور ویب سائٹ کے ذریعے عصری تقاضے پورے کیے جا سکتے ہیں- کسی بھی زبان کو سیکھنے کے لیے تین باتوں کی شدید ضرورت ہے: لکھنا- پڑھنا- بولنا- ان تینوں اجزا پر قابو پانا نہایت ضروری ہے-

جام نور: طلبۂ مدارس جب یونیورسٹیوں کا رخ کرتے ہیں تو انھیں اپنی اس کمزوری کا شدید احساس ہوتا ہے، ایسی حالت میں طلبہ کو کیا کرنا چاہیے؟

پروفیسر مصطفی شریف: طلبہ کو چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ مطالعہ کریں، عربی اخبارات پڑھیں اور چھوٹے چھوٹے ڈراموں اور ناولوں کو اپنے مطالعے میں رکھیں، کیوں کہ ڈراموں اور ناولوں سے سماج کی صحیح عکاسی ہوتی ہے اور اس کو چھوٹے چھوٹے جملوں کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے- اس لیے اس سے نہ صرف عرب ثقافت کو پڑھنے کا موقع ملے گا، بلکہ عربی زبان میں گفتگو کی قدرت بھی حاصل ہوگی- (ان شاءاللہ)

جام نور: طلبہ کو عربی زبان میں مہارت پیدا کرانے کے لیے مدارس کو کن خطوط پر عمل کرنا چاہیے؟

پروفیسر مصطفی شریف: عربی مدارس میں صحیح روایات وقصص کو داخل کیا جائے اور بورڈ کا استعمال زیادہ سے زیادہ کیا جائے- طلبہ کے ذریعے متداول کتابوں میں درج مشقوں کو حل کیا جائے- ترجمہ کی بجائے عربی زبان کو عربی میں ہی پڑھا جائے- جس کو Direct Method کہتے ہیں اور یہی طریقہ انگریزی کی زبان کی تعلیم میں رائج ونافذ ہے-

جام نور: جدید وقدیم عربی زبان کی متداول کتابوں کے ترجمے کا کام ہندوستان میں بہت کم ہو رہا ہے، اس کام کی آپ کتنی ضرورت محسوس کرتے ہیں اور کیوں؟

پروفیسر مصطفی شریف: ترجمے کی اہمیت و افادیت اپنی جگہ مسلّم ہے، اسی ترجمے کے ذریعے، یورپ کی نشاۃ ثانیہ ظہور پذیر ہوئی اور عصر حاضر میں ماشاءاللہ بعض معاصر جامعات میں اس طرف توجہ کی گئی ہے- ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک اکیڈمی اس غرض سے قائم کی جائے اور ماہرین کی ایک جماعت کو ترجمے کا کام تفویض کیا جائے- اس کام میں یہ خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ کن کتابوں کا عربی سے اردو و دیگر زبانوں میں ترجمہ ہونا چاہیے- افسوس کہ آج قرآن مجید کا کماحقہ کسی بھی زبان میں ترجمہ نہیں کیا گیا، جس کی وجہ سے برادران وطن تک اسلام کا صحیح پیغام نہیں پہنچ سکا-

جام نور: کیا آپ کو لگتا ہے کہ عربی زبان میں اہل سنت و جماعت کی طرف سے معیاری رسائل وجرائد کا اجرا ہونا چاہیے؟

پروفیسر مصطفی شریف: جی ہاں! اس کے لیے پہلے پندرہ روزہ جریدے سے ابتدا کی جائے، پھر سہ ماہی مجلّہ اور پھر ماہانہ کو شائع کیا جائے-

جام نور: روحانی علاج کے تعلق سے ''ای ٹی وی اردو'' پر آپ کا لائیو پروگرام آتا ہے- اس پروگرام کا کیسا رسپانس آپ کو ملا؟

پروفیسر مصطفی شریف: الحمدللہ! بہت اچھا رسپانس ملا ہے، بلکہ توقع سے زیادہ- کتنے پریشان حال لوگ ان دعاؤں سے اپنے گوہر مراد کو پا رہے ہیں اور کتنے پریشان حال لوگوں کو بناوٹی عاملین اور مصنوعی ملاؤں سے چھٹکارا ملا- اب ای ٹی وی کے ذریعے دنیا کے ۹۰ رممالک میں یہ پروگرام لائیو ٹیلی کاسٹ کیا جا رہا ہے-

جام نور: کیا آپ سمجھتے ہیں کہ صارفیت اور دہشت گردی کے ماحول میں آج دنیا کو روحانیت کی تلاش اور اس کی ضرورت ہے؟

پروفیسر مصطفی شریف: اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایسا پلیٹ فارم عطا کیا ہے، جس کے ذریعے پیاسی دنیا کو ہم روحانیت سے سیراب کر سکتے ہیں- لیکن جمعہ کے وہی خطبے جو صدیوں پہلے لکھے گئے، فرفر خطیب صاحب پڑھ لیتے ہیں، جن کا سامعین پر کوئی اثر نہیں ہوتا- اس طرح جمعے کے اس شاندار اجتماع کی روح کو ہم نے زندہ دفن کر دیا ہے، نیز عیدین کے موقع پر اور بالخصوص میلاد النبی ﷺ کے مبارک موقعے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دین حق کی تبلیغ کی جا سکتی ہے- لیکن ہم نے اس کو شور شرابے اور کھانے پینے تک محدود کر لیا ہے اور ہماری بیشتر خانقاہیں سو رہی ہیں- (الا ماشاءاللہ) ہمارے بیشتر مرشدین کے کام مریدوں کا نکاح پڑھانا، ان کی دکانوں کا افتتاح کرنا، کاروباری ترقی کے لیے تعویذوں کا لکھنا، انتقال پر نماز جنازہ پڑھانا ہے- یہ حضرات بس اسی کے ہو کر رہ گئے ہیں- کتنے ایسے مرید ہیں جو اپنے مرشدین سے راست مل کر اپنے روحانی امراض کا علاج چاہتے ہیں، لیکن مرشدین سے رابطہ مشکل سے ہی ہو پاتا ہے-

اس طرح خانقاہوں کے دروازے نہ صرف مریدوں کے لیے بلکہ ہر پریشان حال کے لیے روزآنہ یا کم از کم ہفتے میں ایک مرتبہ کھلا رکھنا چاہیے، بلکہ دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے شک وشبہات دور کرنے کے لیے بھی ایک مرشد کو چاہیے کہ صرف کم از کم ایک ہفتے میں ایک مرتبہ مسند ارشاد پر متمکن ہو- وما توفیقی الا باللہ-

آج کل Meditation (یوگا) کی صدائے بازگشت ہے- کیا ہماری خانقاہوں سے مراقبے ومجاہدے کے ذریعے روحانی نظام کو مستحکم

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے تھے-عالم صغر سنی ہی میں آپ کی والدہ مخدومہ داغ مفارقت دے کر رحلت فرما گئیں اور آپ شفقت مادری سے محروم ہو گئے، آپ کی نانی صاحبہ آپ کو اپنے ہمراہ آرہ (بہار) لے آئیں اور یہیں بڑے ناز ونعم اور شفقت ومحبت کے ساتھ آپ کی پرورش وکفالت فرمائی، آپ کی شادی غازی پور محلہ نور الدین پورہ میں منشی راحت علی مرحوم کی بڑی صاحبزادی سے ہوئی، جن سے صرف تین صاحبزادیاں ہوئیں-

آپ ابتدائی کتابیں اپنے نانا حضرت مفتی احسان علی قدس سرہ سے پڑھتے ہوئے قطب الاقطاب شمس الحق حضرت شیخ محمد رشید مصطفیٰ عثمانی جون پوری قدس سرہ (متوفی ۱۰۸۳ھ) کے آستانۂ عالیہ رشیدیہ جون پور میں حاضر ہوئے، جہاں جامع کمالات عالم وعارف قطب الہند حضرت شاہ غلام معین الدین امیری رشیدی متوفی ۱۳۰۷ھ (چھٹویں سجادہ نشیں خانقاہ رشیدیہ جون پور) اپنے علم وفضل اور طریقت وروحانیت کے گوہر لٹا رہے تھے، چناں چہ آپ بھی ان کی خدمت میں رہ کر کچھ کتابوں کا درس لیا اور پھر انہی کے دست حق پرست پر بیعت وارادت سے مشرف ہوئے اور خلافت واجازت کی نعمتوں سے بھی نوازے گئے، اس کے بعد حضرت مولانا سخاوت علی جونپوری (متوفی ۱۲۶۴ھ) کی تحریک پر قائم کردہ ادارہ مدرسہ حنفیہ جون پور میں مشہور عالم حضرت مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی لکھنوی (متوفی:۱۲۸۵ھ) سے درسیات کی مکمل تعلیم وتحصیل فرمائی -جب مولانا فرنگی محلی لکھنؤ واپس چلے گئے اور ان کی جگہ پر حضرت مفتی یوسف لکھنوی (متوفی ۱۲۸۶ھ) تشریف لائے تو ان سے بھی آپ نے کچھ استفادہ فرمایا-

حضرت آسی علوم ظاہری وباطنی کی تحصیل وتکمیل سے فارغ ہوئے تو خدمت خلق کی طرف مصروف ہوئے اور اس کے لیے آپ نے کار طبابت کو پسند فرمایا، جس کو آپ نے محض اپنے ذاتی مطالعے سے ہی حاصل کر کے کمال پیدا کیا تھا-

"حکیم صاحب (محمد اسحاق حاذق موہانی) سے جب کوئی کہتا تھا کہ حضرت آسی نے نہ تو کسی سے طب پڑھی نہ کسی کے مطب میں بیٹھے اور شفا کا یہ حال ہے کہ جو مریض ان کے ہاتھ میں آیا وہ آناً فاناً صحت یاب ہوا تو وہ فرماتے کہ 'ارسطو اور بوعلی سینا کو کس نے طب پڑھائی تھی؟ یہ ان دماغ کے لوگوں میں ہیں جو طب ایجاد کریں، ان کو استاد کی کیا ضرورت ہے؟'' (۱)

آپ ایک عارف کامل، درویش حق، بلند پایہ عالم اور صوفی بزرگ وشاعر تھے لیکن آپ نے اپنی ولایت ودرویشی اور علمیت وشخصیت کو طبابت کے پردے میں پوشیدہ رکھا اور بڑی حکمت وبصیرت، امانت ودیانت اور خاموش مزاجی کے ساتھ خانقاہی روایات ومعمولات اور انتظامی امور کو نہایت احسن طریقے پر نجام دیا، اور ۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ کو وابستگان سلسلۂ رشیدیہ سے پردہ فرما کر واصل بحق ہو گئے، آپ کے شاگرد رشید ایمن سکندر پوری نے '' لقد رضی اللہ عنہ '' سے تاریخ وصال (۱۳۳۵ھ) نکالی ہے، آپ کا مزار محلہ نور الدین پورہ غازی پور ضلع بلیا یوپی میں مرجع انام ہے، جس سے فیوض وبرکات کے چشمے جاری وساری ہیں، اس چشمۂ صافی سے بلا تفریق مذہب وملت اور مشرب ومسلک سب لوگ سیراب ہوتے ہیں-

حضرت آسی نے بڑی اخاذ اور موزوں طبیعت پائی تھی، شعر وادب میں بڑا کمال اور درک حاصل تھا، فطری طور پر شاعر تھے، شعر گوئی کا شوق وذوق آپ کو بچپن ہی سے حاصل تھا، آپ کی ابتدائی شاعری بھی سخن وری کا شہکار ہے، فرماتے ہیں:

اَے پائے نظر ہوش میں آ کوئے نبی ہے
آنکھوں سے بھی چلنا تو یہاں بے ادبی ہے
ہے نام الٰہی بھی تیرے نام سے روشن
اے احمد بے میم یہ کیا خوش لقبی ہے
وہ شافع عصیاں میں گناہ گار ہوں آسی
وہ بحرعنایت ہیں یہاں تشنہ لبی ہے

اندازہ لگائیں کہ جس شاعر کا ابتدائی کلام علم وفکر اور شعر وادب کے اعتبار سے اتنا بلند وبالا اور تصوف وروحانیت سے اتنا معمور ہو، وہ کوئی معمولی شخصیت نہیں ہوگی، بلکہ اس سے خود شاعر کی علمی شخصیت، روحانی عظمت اور نبی اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سچی قلبی محبت روز روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے-

مذکورہ تمام اشعار کی تشریح سے صرف نظر کرتے ہوئے میں صرف پہلے شعر کی طرف قارئین کی توجہ کو مرکوز کر رہا ہوں:

انسان کا کسی آلہ ووسیلہ یا مشق وریاضت کے ذریعے سر کے بل چلنا ممکن ہے اور یہ ایک فعل ارادی اور اختیاری بھی ہے، بلکہ بعض

Nafseislam

حالات ومقامات میں اس پر عمل بھی کیا جاتا ہے اور آنکھ انسانی اعضا میں سب سے زیادہ لطیف اور نازک عضو ہے، جس کے بل پر انسان کا چلنا انتہائی دشوار اور غیر متصور ہے اور پھر یہ کہ یہ ایک غیر ارادی اور غیر اختیاری فعل بھی ہے۔لیکن حضرت آسی کے مقام عشق وادب کو ملاحظہ فرمائیں کہ آپ کو اپنے محبوب یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ کوئے نبی اور زمین حرم کا بھی حد درجہ تقدس واحترام ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ حرم کی زمین پر پیروں اور سروں سے تو کیا آنکھوں کے بل بھی چلنے کو بے ادبی سمجھتے ہیں۔

حضرت آسی ابتداً روایتی طور پر عاصی کے تخلص کے ساتھ شعر گوئی شروع کردی تھی، لیکن بعد میں اپنے پیرومرشد حضرت قطب الہند کے حکم سے ''عاصی'' کو ''آسی'' سے بدل دیا اور ہمیشہ کے لیے یہی تخلص اپنا کر باقاعدہ اس فن میں اپنی علمی وروحانی عظمتوں اور شعری وفکری جولانیت کے جوہر دکھلانے لگے۔

شاعری میں آپ کو حضرت شاہ غلام اعظم افضل الہ آبادی (سابق سجادہ نشیں دائرہ شاہ اجمل الہ آباد) سے شرف تلمذ حاصل ہے، جو ناسخ لکھنوی کے ارشد ترین تلامذہ میں سے تھے۔

جب کہ آپ کے تلامذہ میں مولوی شمشاد لکھنوی، مولوی احمد حسین لبیب سکندر پوری، حکیم محمد شاد غازی پوری، حکیم فرید الدین احمد فرید جیسے باکمال اور معروف شعرا شامل ہیں۔

آپ کی شعری وفکری تخلیقات اور قلبی وروحانی واردات کا مجموعہ ''عین المعارف'' المعروف بہ ''دیوان آسی'' ہے، اس میں آپ نے نعت، سلام، غزل، رباعی، مثلث، مخمس وغیرہ مختلف اصناف سخن پر بڑی عمدہ طبع آزمائی کی ہے، جو آپ کے علمی وفکری افکار وخیالات اور دینی وروحانی عقائد ونظریات کا واضح ترجمان ہے۔ڈاکٹر کاظم ہاشمی لکھتے ہیں:

''(حضرت آسی کے) نعت کے اشعار ہوں یا سلام، ہر جگہ عقیدے کی پختگی، مقام محمدی سے باخبری اور عشق رسول کا والہانہ اظہار ملے گا۔''(۲)

حضرت آسی نے مختلف اساتذۂ سخن مثلاً مومن، ذوق، غالب، آتش وغیرہ کی زمین پر بھی خوب طبع آزمائی کی ہے جنھیں دیکھ کر ارباب زبان وادب اور ناقدین نے بڑی فراخدلی کے ساتھ آپ کی فکری اور فنی صلاحیت کا اعتراف کیا ہے۔بقول ڈاکٹر کاظم ہاشمی:

''غالب کی ایسی ترکیبوں اور بندشوں کو غالب کے بعد جس چابک دستی اور فن کاری سے آسی نے استعمال کیا ہے اس کی مثال نہیں۔''(۳)

آپ کی شاعری کا اصل موضوع خالص تصوف واحسان ہے، مشاہدات، تجلیات، کیفیات اور تجربات سے آپ کو جو کچھ حاصل ہوا ہے، اسے حقیقت ومجاز کے ساتھ قالب شعر وسخن میں ڈھال دیا ہے اور بڑے مؤثر، دل نشیں اور حسین پیرایے میں بیان کردیا ہے، الفاظ وبیان میں ایسی جاذبیت ہے کہ سننے والے کا دل خود بہ خود کھنچتا چلا آتا ہے اور بقول مجنوں گورکھپوری:

''آسی کی ہر بات ہمارے دل میں تیر کی طرح اتر جاتی ہے اس لیے کہ وہ حال اور بیان حال میں کوئی فرق باقی نہیں رہنے دیتے'' (۴) یہی وجہ ہے کہ ہر پڑھنے والا خواہ شعور محبت کی کسی منزل پر ہے، آسی کی شاعری کو اپنے سے بہت قریب پاتا ہے اور اس کو ماننا پڑتا ہے:

آسی مست کا کلام سنو
وعظ کیا، پند کیا، نصیحت کیا (۵)

پوری شاعری خالص صوفیانہ وعارفانہ رنگ میں ڈوبی ہوئی ہے، مصطلحات سلوک وتصوف، قواعد واصول، حقائق ودقائق اور اسرار ومعانی کی کثرت اور معرفت الٰہی کی طرف عمدہ اشارہ ہے، حقیقت ومجاز کا نہایت حسین امتزاج ہے، جو آپ کی شاعری کی اہم شناخت ہے، آپ اسلامی تعلیمات، روحانی ہدایات اور قلبی واردات کے اظہار کے لیے حقیقت ومجاز کے استعمال وامتزاج کو ضروری سمجھتے ہیں بلکہ اسی کو شاعری کی جان اور حقیقت مانتے ہیں، تاکہ شعر حد درجہ فصاحت وبلاغت سے لبریز ہوجائے اور شاعری میں لطف ومزا بھی آئے، چناں چہ آپ فرماتے ہیں:

اگر بیان حقیقت نہ ہو مجاز کے ساتھ
تو شعر لغو ہے آسی کلام ناکارہ

شہود الحق حضرت سید شاہد علی سبز پوش فرماتے ہیں:

حضرت نے اپنی چند نکالی ہوئی غزلیں مولوی عبد الصمد صاحب کو دی تھیں، مولوی صاحب خود دہلی گئے تھے تو غالب سے ملے اور وہ غزلیں سنائیں، غالب دم بخود سنتے رہے، اس کے بعد فرمایا کہ:

''اللہ اللہ! ایسے لکھنے والے اب بھی ہندوستان میں موجود ہیں'' (۶)

آپ نے شاعری کے ذریعے اخلاق و انسانیت اور تصوف و طریقت کی تعلیمات وہدایات کو لوگوں تک پہنچایا ہے، جابجا حیرت انگیز نکات وغوامض کا عارفانہ ذکر فرمایا ہے، لیکن اس کے باوجود آپ نے کبھی بھی اپنے شاعر ہونے کا دعویٰ یا اظہار نہیں کیا ہے اور نہ ہی کبھی اسے اپنی شہرت ونا موری کا ذریعہ تصور کیا، بلکہ ہمیشہ آپ نے اخفائے احوال اور حیات گم نامی کو ہی ترجیح دی ہے۔ چناں چہ آپ کی شاعری کی حقیقت وترجمانی خود آپ کا درج ذیل شعر کر رہا ہے، آپ فرماتے ہیں:

شعر گوئی نہ سمجھنا کہ میرا کام ہے یہ
قالب شعر میں آسی فقط الہام ہے یہ

مسئلۂ وحدت الوجود کی بڑی اہمیت ومعنویت ہے، بلکہ یہ جسم تصوف میں جان کی حیثیت رکھتا ہے، تصوف کے تمام بادہ خواروں، خواہ وہ شاعر ہوں یا غیر شاعر، سب کے باجوں میں ایک ہی قسم کی راگ مستور تھی، حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن العربی اور حضرت غلام یحییٰ قدس سرہمانے تو وحدت الوجود پر مستقل رسالے لکھ ڈالے، حضرت فرید الدین عطار اور حضرت جلال الدین رومی سمیت کئی ہستیوں نے صدہا نظمیں رقم فرمائیں، لیکن یہ عشق حقیقی اور شوق محبت ہے کہ اس کی داستان غم کبھی ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتی۔

چناں چہ حضرت آسی کے ہاتھ میں بھی وہی بانسری ہے، آپ وحدت الوجود کی ترجمانی اور علم برداری کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وحدت جسے کہتے ہو وہی کثرت ہے
کثرت جسے سمجھے ہو وہی وحدت ہے
واصل ہے نہ موصول نہ گنجائش وصل
محفل ہے نہ خلوت ہے عجب صحبت ہے

حضرت عارف ہسوی لکھتے ہیں:

"آسی ایک صاحب حال، صاحب دل، صاحب نسبت بزرگ تھے، اس لیے فطرتاً ان کا کلام تصوف کی چاشنی سے معمور ہے، وہ کبھی ایسے اشارات صوفیانہ کر جاتے ہیں جس سے کلام کی رنگینی ورعنائی حد درجہ دل پذیری کی شان اختیار کر لیتی ہے اور کبھی کسی خاص مسئلہ تصوف پر شاعرانہ رنگ میں روشنی ڈال جاتے ہیں اور کبھی مجاز کے پردے میں رموز حقائق کی طلسم کشائی کر جاتے ہیں، چوں کہ تصوف میں بھی حضرت آسی کا مذاق وحدت الوجود کا ہے اس لیے خصوصیت کے ساتھ اس مسئلے پر وہ مختلف والہانہ اور مستانہ انداز سے اپنے واردات قلب کو قالب شعر میں ڈھال کر پیش کر جاتے ہیں جن کو سنتے ہی سامع پر ایک بے خودی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور مذاق سلیم پہروں سر دھنتا ہے۔" (۷)

"وحدت تصوف کا وہ سنگ بنیاد ہے، جس پر تصوف کا محل قائم ہے جب تک انسان کا دل ایک اللہ پر مرکوز نہ ہوگا، تب تک اسے سچے عاشق کا درجہ حاصل نہیں ہو سکتا، توحید ہی سچی محبت کا باعث ہے، جب دل ہی چاروں طرف چکر کاٹتا رہے گا تو خدا سے سچی محبت کیا ہوگی، سچی محبت تو وہ شئے ہے جو عاشق کی نظر میں وہ خوبی پیدا کر دے کہ دنیا کی ہر شئے میں معشوق ہی معشوق نظر آنے لگے۔"

وہ کیا ہے تیرا جس میں جلوہ نہیں ہے
نہ دیکھے تجھے کوئی اندھا نہیں ہے
ان آنکھوں کو جب سے بصارت ملی ہے
سوا تیرے کچھ میں نے دیکھا نہیں ہے
نکل جائے دم اس کی الفت میں آسی
سوا اس کے اب کچھ تمنا نہیں ہے

(۸)

حضرت آسی کا قلب محبت الٰہی سے معمور تھا، عشق الٰہی میں آپ ہمیشہ مستغرق رہتے تھے بلکہ اسی میں تڑپتے، لطف اندوز ہوتے اور محو رہتے تھے اور آپ کے نزدیک عشق سے یہی مطلوب ومقصود بھی ہے، چناں چہ انسان کا معیار عشق کیا ہونا چاہیے اور کس درجہ کا ہونا چاہیے، اس کی حقیقت واصلیت کی تعلیم نیز اس کی ترغیب وتشویق دلاتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

عاشقی میں ہے محویت درکار راحت وصل ورنج فرقت کیا
نہ گرے اس نگاہ سے کوئی اور افتاد کیا، مصیبت کیا؟

حضرت آسی علیہ الرحمہ نے اپنی شاعری میں تعلیم قرآن اور تعلیم اخلاق وانسانیت کو بھی ملحوظ نظر رکھا ہے، سادہ اسلوب اور عمدہ لب ولہجہ میں بعض اشعار کو تلمیحات قرآنی سے مزین کیا ہے اور ان سے آیات بینات کی طرف ایسا نازک اور واضح اشارہ فرمایا ہے کہ گویا یہ شاعری کے پیرایے میں قرآن عظیم کی آیات کریمہ کا اردو ترجمہ اور احادیث مقدسہ کی کھلی تفسیر ہے، جو انتہائی اہم اور دل چسپ ہے، چناں چہ بغیر کسی تفصیل کے، نمونے کے طور پر چند درج ذیل اشعار ملاحظہ ہو:

بڑھ کے شہ رگ سے گلے ملنے کو آمادہ تھا
ہائے اے وہم غلط اب تک میں دور افتادہ تھا

اس شعر میں آیت کریمہ ''نحن اقرب من حبل الورید'' کی جانب اشارہ ہے۔

بس تمہاری طرف سے جو کچھ ہو میری سعی اور ہمت کیا

اس شعر میں حدیث شریف ''السعی منی و اتمام من اللہ تعالیٰ'' کی طرف اشارہ ہے۔

کس کی حسرت نے جگایا تھا ہمیں
نیند سوئے قبر میں نو شاہ کی

اس شعر میں ''نم کنومة العروس'' کی جانب اشارہ ہے۔

حضرت آسی نے فلسفۂ نبوت و رسالت کے مسائل کو بھی بڑے جامع اور عمدہ انداز میں حل کر کے پیش فرمایا ہے، جو عام عقل و فہم سے بالاتر ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

بلندی اُس کی اُسی کی پستی ہر ایک شے میں اُسی کی ہستی
عروج اُسی کا رسول ہو کر نزول اُسی کا کتاب ہو کر

بقول مجنوں گورکھ پوری:

''آسی نے تشبیہات اور استعارات اور دیگر صنائع و بدائع سے وہی کام لیا ہے، جو اہل معرفت رموز و علامات سے لیتے ہیں، وہ ہر کیفیت اور ہر تاثیر کو اس قدر آراستہ و پیراستہ کر کے سامنے لاتے ہیں کہ ظاہر پرست ان کو محض خرافات شاعری سمجھتے ہیں لیکن اہل بینش کے دلوں پر بن جاتی ہے، اس لیے کہ وہ دیکھ لیتے ہیں کہ شاعر دراصل کس حال میں ہے اور اس بناؤ سنگار سے اس کا اصل مقصد کیا ہے۔'' (۹)

چناں چہ حضرت آسی کے اشعار ایسے اسرار و رموز سے معمور ہیں کہ یہ عام عقل و فہم سے بعید تر ہیں، یہی وجہ ہے کہ آپ کے چند عارفانہ اشعار پر بعض کم علم مولویوں اور ناعاقبت اندیشوں نے کافی واویلا مچایا اور ان کو خلاف شریعت گردان کر کے خود اپنی علمی بے مائے گی کا ثبوت فراہم کیا، لیکن صاحبان سلوک و معرفت نے آپ کے انہی اشعار کی زبردست تحسین فرمائیں اور ان کے ذریعے ان نفوس قدسیہ نے آپ کے علمی و روحانی مقامات و مراتب کا بخوبی اندازہ لگایا۔ خود آپ کو بھی اس کا احساس ہو چکا تھا کہ کچھ حضرات لاشعوری، بے علمی، کم فہمی اور ظاہر پرستی کی بنیاد پر علم و روحانیت کے اسرار و نکات سے لبریز کچھ اشعار کو کفر و شرک کے خانے میں ڈالنے کی ناکام کوشش کریں گے اور اسے خلاف شریعت قرار دینے میں کوئی باک محسوس نہیں کریں گے، چناں چہ ایسا ہی ہوا، بعض کم علموں نے آپ کے ایک بے غبار، شرعی اسقام سے بالاتر اور صحیح شعر یعنی:

وہی جو مستوی عرش ہے خدا ہو کر
اتر پڑا ہے مدینے میں مصطفیٰ ہو کر

کو غلط نقل کر کے یعنی:

وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر
اتر پڑا ہے مدینے میں مصطفیٰ ہو کر

بغیر کسی تحقیق و تلاش کے محض شوق تنقید میں اس کو خانۂ تنقید میں ڈالا ہے، بلکہ اس کو اسلامی تعلیمات کے منافی قرار دیا ہے، جو انتہائی جہالت و لاعلمی پر مبنی ہے۔

چناں چہ حضرت آسی فرماتے ہیں:

''جہلا اس شعر پر اعتراض کریں گے مگر ان کے اعتراض کا جواب مصرعۂ اولیٰ میں موجود ہے یعنی وہ اب بھی مستوی علی العرش ہے، افسوس کہ اگر معترضین حضرت شیخ اکبر رضی اللہ عنہ کی فصوص الحکم وغیرہ دیکھے ہوتے تو اس گستاخی کی جرأت نہیں ہوتی، اگر مصرعۂ اولیٰ میں ''وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر'' ہوتا تو البتہ ان کا اعتراض خدا کے مجسم ہونے کا صحیح ہوتا، وہ تو اب بھی مستوی علی العرش ہے، مدینہ میں اترنا باعتبار نزول صفات کے ہے، جیسے آفتاب آئینے میں اترتا ہے الا ن کما کان۔'' (۱۰)

صوفیہ اہل معانی و حقائق ہوتے ہیں یعنی یہ ظاہری پہلوؤں اور لفظی معنوں کے چکر میں نہیں پڑتے، بلکہ محض باطنی اور حقیقی معانی سے ہی سروکار رکھتے ہیں اور انہی میں ہمہ اوقات مستغرق رہتے ہیں نیز یہ تجلیات و انوار الٰہی کے مظہر و آئینہ دار ہوتے ہیں، اس لیے ان کے اقوال و ارشادات میں اسرار و حقائق اور کنایات و اشارات کے ساتھ ساتھ ان کی شاعری میں بھی یہ کیفیات بدرجۂ اتم موجود و کارفرما ہوتی ہیں، شاعری میں ان کے کچھ خاص اصول و قواعد ہوتے ہیں، چناں چہ حضرت آسی کے یہاں بھی شاعری میں اپنے کچھ مقرر کردہ اصول تھے جن پہ وہ سختی سے کاربند تھے۔ بقول آپ کے مرید خاص اور خلیفۂ اجل حضرت شہود الحق:

''حضرت (آسی) کے یہاں ''اور'' بروزن ''غور'' لکھنا لازمی

Nafseislam

ہے اور ''یاں'' بجائے یہاں اور ''واں'' بجائے وہاں کے بالکل ناجائز ہے۔ زمین، مکان، آسمان وغیرہ اعلان نون کے ساتھ فرماتے تھے۔ ''پہ'' بجائے پر کے نہیں لکھتے تھے، کسی لفظ میں الف کہیں نہیں دبتا، خلاصہ یہ کہ جو لفظ جس طرح بولا جاتا ہے نظم میں بھی اسی طرح آنا چاہیے، اگر یہ نہیں ہے تو ناظم کے کمال میں کلام ہے، غرض کہ قواعد اتنے سخت تھے کہ دوسروں کا چلنا مشکل ہے، حضرت کی ایک غزل ہے:

ظاہر میں تو ہیں مگر نہیں ہم دریائے رواں نہ ہوں کہیں ہم

اس میں ''نازنین'' اور ''مہ جبیں'' کے قافیے کو اپنی طرف نسبت کر کے اس طرح نظم فرمایا ہے کہ وجد میں آجاتا ہے، ملاحظہ ہو:

عاشق سے تو رنگ رخ نہ سنبھلا ان کا دعویٰ کہ نازنین ہم

(۱۱)

مجنوں گورکھپوری خامہ فرسا ہیں:

''جس طرح وہ (حضرت آسی) خانقاہ رشیدیہ کی سجادہ نشینی اور اس کے تمام رسومات وروایات کی پابندی کو اپنی روح کی تہذیب و تحسین کے لیے ضروری سمجھتے تھے، اسی طرح انہوں نے مدرسہ شاعری کے تمام شرائط ولوازم کو پورا کرنا شاعری کی تکمیل کے لیے اپنا نصاب بنا لیا تھا۔'' (۱۲)

صوفیہ کے علاوہ اکثر لوگ ظاہر پرست اور اہل الفاظ ہوتے ہیں، جو صرف لفظی گرفت میں پڑے رہتے ہیں، اگر یہ صوفیہ کی شاعری اور اس کے اسلوب ومطالب کو اپنے مزاج ومنہاج کے موافق نہیں پاتے تو بلا کسی توقف کے اس کو ہدف تنقید بناتے ہیں اور صوفیانہ کیفیات واشارات اور کنایات واستعارات کو نہیں سمجھ پاتے، یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ بسا اوقات ان کے افکار وتخیلات میں اعتراضات قائم کر کے نفوس قدسیہ کی شان میں گستاخی کے مرتکب ہوتے ہیں۔

لہٰذا یہ ضروری ہے کہ اگر کسی کو کسی صوفی کامل اور عارف باللہ کا کوئی شعر یا کلام ظاہری یا لفظی اعتبار سے ایمان وشریعت کے خلاف نظر آتا ہے، اس کے ذاتی شبہات خواہ کتنے مخلصانہ ہوں، سب سے پہلے صوفیانہ اصطلاحات اور پھر بعد میں خود اس صوفی شاعر کے اسلوب ادا اور التزام قواعد کو سمجھنے کی کوشش کرے، تاکہ خدشات دور ہوں اور صحیح نتائج تک رسائی ہو، ورنہ تو پھر کسی سالک طریقت اور واقف بحر معرفت کی صحبت وخدمت میں بیٹھ کر اس کو سمجھنے کی کوشش کرے۔

قیامت، مذہب اسلام کا ایک اجماعی اور متفقہ عقیدہ ہے، حضرت آسی نے اپنے نعتیہ دیوان میں مخصوص تصور اور مستحکم اعتقاد کے ساتھ اس کا کثرت سے ذکر فرمایا ہے، گویا آپ نے اس کے پامال تصور میں ایک نئی زندگی پیدا کر دی ہے، مگر اساسی تصور بدستور باقی ہے، آپ فرماتے ہیں:

رو کے آسی پوچھتا تھا کب قیامت آئے گی
کس طرح کہیے کہ وہ تیرا تمنائی نہ تھا

''تمنا اور انتظار کا اس سے زیادہ شدید اور بلیغ ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے اور پھر قیامت کا اس سے واضح تصور کہاں ملے گا؟'' (۱۳)

حضرت آسی کے نزدیک جملہ رموز وکنایات اور تشبیہات و استعارات زندہ حقیقتیں رکھتی ہیں، آپ کا ایک مشہور شعر ہے:

تاب دیدار جو لائے مجھے وہ دل دینا
منہ قیامت میں دکھا سکنے کے قابل دینا

مذکورہ شعر کے تعلق سے مجنوں گورکھپوری رقم طراز ہیں:

''ایسوں کی تعداد کافی ہے جو شعر سنتے ہی یہ کہہ دیں گے کہ میاں اس شعر میں رکھا ہی کیا ہے، وہی قیامت کا ذکر، وہی تاب دیدار کا رونا، وہی دقیانوسیت۔'' (۱۴)

''مجھے بھی اتفاق ہے کہ ہاں سب باتیں وہی ہیں، قیامت بھی وہی، تاب دیدار بھی وہی لیکن وہی دقیانوسیت کہنے کے لیے تیار نہیں ہوں، شاعر اچھی طرح جانتا ہے کہ دیدار کی تاب لانا دنیا میں سب سے زیادہ سخت اور دشوار کام ہے، ذرا ہم آپ سب اپنی اپنی زندگی پر تبصرہ کر جائیں، ہم میں سے کتنے ہیں جن کو اس دیدار سے سابقہ پڑا ہے اور جو اس کی تاب لا سکے ہیں؟'' (۱۵)

حضرت آسی قیامت سے پہلے دیدار کی ایک منزل شب گور کو بھی قرار دیتے ہیں اور کس یقین کے ساتھ فرماتے ہیں:

اب تو پھولے نہ سمائیں گے کفن میں آسی
ہے شب گور بھی اس گل کی ملاقات کی رات

''آسی کی شاعری اس بات کا پورا پتہ دیتی ہے کہ وہ صاحب کیف وحال تھے اور یہ کیف وحال صوفیانہ سے زیادہ کہیں زیادہ عاشقانہ تھا بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ آسی کے تجربہ میں کیف وحال کی یہ تقسیم تھی ہی نہیں، ان کا ہر شعر ایک وجد ہوتا ہے اور اس مقام کی خبر دیتا ہے جہاں

خارجی اور داخلی میں کوئی امتیاز نہیں کیا جاسکتا، جہاں گرد و پیش کی ہر حالت ایک کیف باطن ہوجاتی ہے جہاں محبت کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا اور ''نظر'' و ''ناظر'' و ''منظور'' سب مل کر ایک ہوجاتے ہیں-'' (۱۶)

حضرت آسی نے بظاہر شعر گوئی کی ہے لیکن حقیقت میں تصوف وصوفیہ کی صحیح ترجمانی اور عظیم علم برداری فرمائی ہے، خوف و رجا، صبر و رضا، توکل و انابت، محبت وخدمت، ذکر وفکر، ذوق وشوق اور اخلاق و انسانیت کی تعلیمات وہدایات کی تبلیغ وترویج فرمائی ہے-

صوفیہ کا مقصد اخلاق وروحانیت کے ذریعے مخلوق خدا کو معرفت الٰہی کی دولت سے مالا مال کرنا ہے، ان کے نزدیک محبت واخلاق تبلیغ و ہدایت کا سب سے بڑا ہتھیار اور ذریعہ ہے، یہ حضرات مریدین و متوسلین، عام لوگ، دوست و دشمن سب کے ساتھ یکساں برتاؤ رکھتے ہیں اور ہر تشنہ کامان ذوق کو سیراب کرتے ہیں- اس سے بڑھ کر سب سے اہم بات یہ ہے کہ صوفیہ کو عشق حقیقی یعنی معرفت الٰہی کی دولت حاصل ہونے کے بعد دوست و دشمن کے مابین کوئی فرق و امتیاز نظر ہی نہیں آتا ہے، چناں چہ حضرت آسی فرماتے ہیں:

پہچانتا وہ اب نہیں دشمن کو دوست سے
کس قید سے اسیر محبت رہا ہوا

اس کے بعد ایک جگہ یوں اظہار کرتے ہیں:

کوئی دشمن ہو آسی یا میرا دوست
میں سب کا دوست، کیا دشمن ہو، کیا دوست

غرض حضرت آسی کے پورے دیوان کو دیکھ جائیے، اس میں جا بجا عشق حقیقی کا شہکار، تصوف کی تعلیمات اور عشق رسالت مآب کے جا بجا نمونے نظر آئیں گے-

مصادر ومراجع

(۱) عین المعارف (دیوان آسی) مرتب: سید شاہ شاہد علی سبز پوش رشیدی ص: ۴۷/۷ انجمن فیضان رشیدی، کلکتہ (۲) حضرت آسی غازی پوری: حیات اور شاعری، ص: ۱۱۰: ڈاکٹر کاظم ہاشمی، سلطانہ ہاشمی، پٹنہ (۳) نفس مصدر، ص: ۱۴۹ (۴) نکات مجنوں، ص: ۱۶۶، از پروفیسر احمد صدیق مجنوں گورکھ پوری، کتا بستان، الہ آباد- (۵) نفس مصدر، ص: ۱۵۳ (۶) عین المعارف، ص: ۵۷ (۷) سمات الاخیار، ص: ۲۷۰ (۸) تجلیات آسی، ص: ۸۶، از ڈاکٹر ڈی این چتر ویدی زاہد، بلیا یوپی (۹) نکات مجنوں، ص: ۴۱، ۱۴۲ (۱۰) عین المعارف ص: ۵۶ (۱۱) انتخاب کلام آسی غازی پوری، ص: ۹ (۱۲) نکات مجنوں، ص: ۱۴۲ (۱۳) نفس مصدر، ص: ۱۴۴ (۱۴) نفس مصدر، ص: ۱۴۲ (۱۵) نفس مصدر، ص: ۱۴۳ (۱۶) نفس مصدر ص: ۱۵۶/۵۷

☆marmisbahi@gmail.com

برصغیر ہندو پاک میں حدیث اور علم حدیث کو فروغ دینے والے عظیم محدث، تحفظ ناموس رسالت کے اولین علم بردار
'مدارج النبوۃ' 'اشعۃ اللمعات' 'اخبار الاخیار' اور 'تکمیل الایمان' جیسی گراں قدر کتابوں کے مصنف

امام اہل سنت، محقق علی الاطلاق، محدث کبیر، عاشق رسول

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی

کی حیات وخدمات پر ماہنامہ ''جام نور'' دہلی کا ایک ضخیم، علمی وتحقیقی ''شیخ محدث نمبر'' جلد ہی منظر عام پر آرہا ہے-

نوٹ: قارئین اور ایجنٹ اپنی کاپی محفوظ کرالیں! جن کی ممبرشپ بقایا ہے انہیں یہ شمارہ نہیں بھیجا جائے گا، لہٰذا اس خصوصی شمارے کو حاصل کرنے کے لیے قارئین اپنی ممبر شپ کی تجدید کروالیں- ممبر شپ کی تجدید کے لیے مندرجہ ذیل اکاؤنٹ نمبر پر اپنی رقم جمع کریں اور فون نمبر 011-23281418 پر اس کی اطلاع دیں- جنوری ۲۰۱۳ء سے سالانہ ممبر شپ کی رقم Rs.240/- ہوگئی ہے-

A/c No:10177246529, A/c Name: Khushtar Noorani
State Bank Of India,Branch:Zakir Nagar, New Delhi

یعنی بمطابق حضرت مولانا فرید، حضرت محبّ اللہ بخاری کی حیثیت صرف امانت دار کی تھی - انہوں نے اپنے پاس سے حضرت صادق علی شاہ کو کچھ نہیں دیا، بلکہ حضرت مولانا فخر الدین دہلوی نے جو کچھ ان کے پاس امانتاً رکھوا دیا تھا - حضرت محبّ اللہ بخاری نے وہی امانت حضرت صادق شاہ کو پہنچادی-

دوسری طرف پروفیسر ایم اے نصر مرحوم نے لکھا ہے کہ ''حضرت صادق علی محبّ اللہ کے خلیفہ تھے، لیکن وہ مرید حضرت فخر الدین چشتی کے تھے-'' بظاہر دونوں بیانات میں بہت تفاوت ہے، مگر ایک بات تمام بیانات میں مشترک ہے، یعنی پروفیسر خلیق احمد نظامی، مولانا فرید الدین سہسرامی، مولانا محمد انوارالحق شہودی، پروفیسر ایم اے نصر، سبھی نے یہ تسلیم کیا ہے کہ حضرت صادق علی شاہ حضرت مولانا فخر الدین دہلوی کے مرید تھے اور سوائے ایم اے نصر کے باقی تمام حضرات حضرت صادق علی شاہ کو حضرت مولانا فخر صاحب کا خلیفہ بھی تسلیم کرتے ہیں- اس بنیادی بات کو یاد رکھتے ہوئے خود حضرت صادق علی شاہ کا یہ اعتراف ملاحظہ کیجیے کہ:

جو کہ عقدے عشق کے تھے کر دیا سب آئینہ
میں فدا ہوں دم بدم اس شاہ عالی جاہ کا
اپنی پہچانت سے تھا محتاج سو اس پیر نے
ہاتھ پکڑا ، کر کرم ، مجھ صادق گمراہ کا

لہٰذا میں مذکورہ بالا حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس نتیجے تک پہنچا ہوں کہ حضرت صادق علی شاہ کا حضرت مولانا فخر الدین دہلوی سے بیعت ہونا اور خلافت پانا ایک مصدقہ اور غیر متنازع فیہ امر ہے- مگر اصل گفتگو تو حضرت صادق علی شاہ اور حضرت محبّ اللہ بخاری کے درمیانی روابط کی ہے- (جن کو حضرت مولانا فرید صرف امانت دار قرار دے رہے ہیں- اور ایم اے نصر کہتے ہیں کہ حضرت صادق علی مرید حضرت مولانا فخر کے تھے اور خلیفہ حضرت محبّ اللہ کے تھے)

حضرت صادق علی شاہ کی منقبت کے پیش نظر اس مسئلے پر اگر غور کیا جائے تو احساس ہی نہیں یقین ہو جاتا ہے کہ حضرت مولانا فخر الدین دہلوی نے حضرت صادق علی شاہ کو بیعت اور اجازت وخلافت سب سے نوازا، مگر یہ ارادت واجازت زبانی تھی اور بقول حضرت مولانا فرید: ''حضرت مولانا فخر کی تاکید تھی کہ حج سے واپسی میں بخارا کی راہ اختیار کرنا اور (حضرت) محبّ اللہ سے ملتے آنا-''

لہٰذا حضرت صادق علی شاہ بحکم پیر، حج سے واپسی پر بخارا پہنچے اور وہاں حضرت محبّ اللہ بخاری نے (پیر حضرت مولانا فخر الدین کی طرف سے) تحریری طور پر خلافت نامہ عطا کیا اور اس کا بھی قوی امکان ہے کہ کچھ نہ کچھ ''رموز تصوف والہیات'' حضرت محبّ اللہ بخاری کی طرف سے بھی انہیں ضرور عطا ہوئے- شاید اسی لیے حضرت صادق علی شاہ نے یہ اعتراف کیا ہے کہ:

جو کہ عقدے عشق کے تھے کر دیا سب آئینہ
میں فدا ہوں دم بدم اس شاہ عالی جاہ کا

سطور ماقبل میں پیش کیے گئے شخصی تعارف کے بعد عرض ہے کہ حضرت محبّ اللہ چشتی بخاری صرف ایک معتبر ومستند صوفی اور مرشد ہی نہیں تھے- بلکہ مختلف ماخذات کے حوالے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ علم وادب کے شائق اور سرپرست کی حیثیت سے بھی، اپنے عہد میں درجۂ اعتبار کے حامل تھے- نہ صرف یہ کہ مطالعہ کا شغف تھا بلکہ ہم عصر ادبی خزانوں کی حفاظت کا بھی اہتمام فرماتے تھے اور بحیثیت ''راز دان ادب وادیب'' مختلف مواقع پر اپنی جانب سے (بوقت ضرورت) تحریری طور پر کچھ نہ کچھ حک واضافہ بھی فرمایا کرتے تھے- اس سلسلے میں ''تذکرۂ مخطوطات'' جلد سوم مؤلفہ محی الدین قادری زور سے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

(۱) ۶۹۴: سب رس، ملاّ وجہی- ۱۰۴۵ھ، ص: ۳۲۳-۲۲۵

''سب رس'' کا یہ مخطوطہ اس لیے اہمیت رکھتا ہے کہ دہلی کے ایک بزرگ شاہ محبّ اللہ چشتی بخاری ابن سید فضل اللہ بخاری چشتی قادری دہلوی نے ۱۱۸۳ف میں اسے نقل کیا ہے اور اس کے ترقیمے میں وجہی کے سلسلۂ بیعت کے بارے میں نئی معلومات بہم پہنچائی ہے کہ:

تمت الکتاب سب رس گفتار مولانا وجہی، ساکن حیدرآباد مولانا وجہی چشتی کے پیر شاہ علی متقی کے پیر میاں شاہ باز، ایں ہمہ چشتی گزاراست- تحریر فی التاریخ بست وچہارم ماہ شوال بہ ایں ضعیف و نحیف محبّ اللہ چشتی، ساکن شاہ جہاں آباد-

(۲) اس کتاب کے سرورق پر ایک بڑی مہر ثبت ہے جس پر حسب ذیل عبارت کندہ ہے: ''و افوض امری الی اللہ عبدہ السید محب اللہ بخاری ابن السید فضل اللہ بخاری

چشتی قادری الدهلوی عفی الله عنه-"

(۳) اس مخطوطے کی ایک اور خصوصیت ہے کہ مطبوعہ نسخہ "سب رس" میں مدح صحابہ کی نظم کے بعد جو عبارت لکھی ہے، اس میں حضرت علی کا ذکر کیا گیا ہے، لیکن اس نسخے میں یہ عبارت اس طرح ہے:

گیان دھیان کے تمام کام محمد ﷺ نے ابا بکر کو ہور علی کو دلایا، دے آیا، جکچھ محمد ﷺ نے پاناتھا سو پایا، جکچھ محمد ﷺ نے پایا سو علی کو ہور ابا بکر کو سمجھایا، یو سمجھ، علی کی تقسیم میں آیا، علی خدا کوں بھایا، ابا بکر رسول اللہ کو بھایا، دونوں خلیفہ اور ولی کہلائے-

اسی طرح پوری کتاب کی عبارتوں میں کمی و زیادتی موجود ہے- معلوم نہیں یہ تبدیلی حضرت محبّ اللہ چشتی نے خود کی یا انہوں نے جس مخطوطے سے نقل کیا، اس میں یوں ہی لکھا تھا اور مطبوعہ کتاب 'سب رس' کسی غلط اور تحریف شدہ نسخے پر مبنی ہے- شاہ محبّ اللہ چشتی کا خط نسخ نما نستعلیق ہے- اسی کاتب نے "سب رس" کے بعد اسی صفحے سے تصوف کا ایک اور دکنی رسالہ "درّ الاسرار" بھی نقل کیا ہے-

(۴) ۶۹۵: درّ الاسرار، قریب ۱۱۰۰ھ، ص: ۳۲۵

اس کے مصنف کا نام اب تک نہ معلوم ہوسکا...... محبّ اللہ چشتی دہلوی نے یہ رسالہ بھی ۱۱۸۳ھ میں نقل کیا...... اس رسالے کے اختتام پر محبّ اللہ چشتی نے ایک اور رسالہ "زبدۃ الحقائق" اور اس کے بعد فارسی رسالہ "حمید جوگی در معرفت" نقل کیا ہے-

(۵) ۶۹۶: رسالہ "حق نما" شہزادہ داراشکوہ، ۱۰۵۵ھ

زیر نظر مخطوطہ محبّ اللہ چشتی دہلوی نے ۱۱۸۱ف میں بہ مقام دہلی وجہی کی "سب رس" اور دوسرے رسالہ جات تصوف کے ساتھ نقل کیا ہے- خط نسخ و نستعلیق کی درمیانی شکل ہے- (ص: ۲۶-۳۲۵)

○

سطور بالا میں حضرت محبّ اللہ چشتی بخاری کی علم و ادب میں دلچسپی کے کچھ نمونے پیش کیے گئے اور اب عرض یہ ہے کہ حضرت علم و ادب کی صرف سرپرستی ہی نہیں فرماتے تھے بلکہ بذات خود ایک صاحب تصنیف بزرگ تھے- میرے اس دعوے کی دلیل حضرت محبّ اللہ چشتی بخاری دہلوی کی اہم صوفیانہ تصنیف "مفتاح العاشقین" ہے-

یہ کتاب (مفتاح العاشقین) مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے ذخیرۂ مخطوطات میں موجود ہے- اس کتاب میں اس وقت کی ہندوستانی اردو اور فارسی کے ملے جلے اسلوب میں کچھ اہم نکات تصوف بیان کیے گئے ہیں-

ساؤتھ ایشین صوفی مخطوطات کانفرنس کے موقع پر خدا بخش لائبریری پٹنہ اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اشتراک سے مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے اہم مخطوطات کی جو جزوی فہرست "مراۃ التصوف" کے نام سے شائع ہوئی ہے، اس کتاب کے صفحہ ۸۶ پر "مفتاح العاشقین" کا ذکر موجود ہے-

حاصل کلام: (۱) حضرت محبّ اللہ چشتی حضرت مولانا فخر الدین دہلوی کے مرید و خلیفہ تھے-

(۲) حضرت محبّ اللہ اور حضرت صادق علی شاہ دونوں پیر بھائی تھے، مگر حضرت صادق علی شاہ حضرت محبّ اللہ کی بزرگی اور شخصیت سے اتنا متاثر اور مستفیض ہوئے تھے کہ حضرت صادق کی ہدایت کے مطابق صادقی واصدقی شجرۂ طریقت میں ان سے پہلے حضرت محبّ اللہ کا اسم گرامی درج ہوا، اور ہے-

(۳) حضرت محبّ اللہ علم و ادب کے سرپرست اور دل دادہ تھے-

(۴) ادبی کتابوں کا صرف مطالعہ ہی نہیں فرماتے تھے بلکہ ان کی صحت کی خاطر خود ہی ان کی کتابت بھی فرمادیا کرتے تھے-

(۵) علمی، ادبی اور صوفیانہ معاملات پر اتنا درک تھا کہ ان کے کتابت کردہ نسخوں میں ان کی جانب سے کیے گئے حک و اضافے کا سراغ بھی ملتا ہے-

(۶) صاحب تصنیف بزرگ تھے، آپ کی ایک کتاب "مفتاح العاشقین" مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں موجود ہے-

☆صدر: شعبۂ اردو/ پروکٹر، مگدھ یونیورسٹی، بودھ گیا (بہار)
Postal Add:Sirsyed colony,
New Karim Ganj,Gaya-823001(Bihar)

پاکستان میں ماہنامہ جام نور
کی ایجنسی، ممبرشپ اور اشتہارات کے لیے رابطہ کریں
مولانا حافظ سرور مصطفیٰ اعظمی
مکتبہ رضویہ، آرام باغ روڈ، گاڑی کھاتا، کراچی (پاکستان)
Mobile:03002212590

قطب المدار ایک نظر میں

نام: سید بدیع الدین احمد مدار

لقب: قطب مدار، شاہ مدار، قطب الارشاد، مدار عالم، شمس الافلاک

کنیت: ابوتراب

والد گرامی: سید قاضی قدوۃ الدین علی حلبی

حسب ونسب: آپ نجیب الطرفین حسنی حسینی سید ہیں، والد کی طرف سے شجرۂ نسب صرف ۱۰/ واسطوں سے سید الشہدا حضرت امام حسین سے جب کہ والدہ کی طرف سے صرف ۷/ واسطوں سے حضرت امام حسن سے ملتا ہے۔

ولادت: یکم شوال ۲۴۲ھ/ ۸۵۶ء

تعلیم وتربیت: شیخ کبیر حضرت شیخ حذیفہ مرعشی شامی (متوفی ۲۷۶ھ) کی خدمت میں صرف چودہ سال کی عمر گزار کر جملہ علوم وفنون کی تحصیل فرمائی نیز قرآن مقدس کے ساتھ ساتھ کتب سماویہ خصوصاً توریت، انجیل، زبور کے عالم وحافظ ہوئے۔

استاذ: شیخ کبیر حضرت شیخ حذیفہ مرعشی شامی

بیعت وارادت: سلطان الاولیا حضرت بایزید بسطامی سے بیعت وارادت سے مشرف ہوئے۔

خلافت واجازت: حضرت سلطان الاولیا نے آپ کو خرقۂ خلافت واجازت عطا کیا۔

مریدین: آپ نے تقریباً ۶۰۰/ سال کا طویل عرصہ پایا، جس میں لاتعداد مریدین ومتوسلین ہوئے، جن میں بادشاہ ابراہیم شرقی، میر صدر جہاں، عبد القادر المعروف شیخ ضمیری بغدادی، بوعلی رودباری وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

خلفائے کرام: قاضی شہاب الدین دولت آبادی، بادشاہ ابراہیم شرقی، عبد القادر المعروف شیخ ضمیری بغدادی، بوعلی رودباری وغیرہ۔

چند معاصرین: حضرت شیخ عبد القادر جیلانی، حضرت خواجہ معین الدین چشتی، سید سالار ساہو غازی، سید سالار مسعود غازی، شیخ ابونصر عبد الوہاب، شیخ غیلان واسطی، جنید بغدادی، احمد بن مسروق خراسانی۔

دعوت وتبلیغ: آپ کی خدمات بے شمار ہیں، اسلام کی دعوت وتبلیغ کی خاطر آپ نے سمرقند، بخارا، طوس، خراسان، بدخشاں، بغداد سمیت کئی ممالک ہوتے ہوئے ہندوستان تشریف لائے اور تربیت وتزکیہ کے لیے دار النور مکن پور (کان پور) کو اپنا مرکز بنایا اور ایک عالم کو فیض یاب کیا۔

کمالات: آپ مقام مداریت پر فائز تھے، کتب اربعہ سماویہ کے عالم وحافظ تھے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شرف اویسیت حاصل تھا، حضرت مولائے کائنات علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے علوم باطنی کی تحصیل فرمائی، نامور اقطاب واولیا پیدا کیے، ملک کی اکثر خانقاہوں کو سلسلۂ مداریہ سے نوازا، معروف علما وصوفیہ نے آپ کے فضائل ومناقب بیان کیے ہیں۔

وصال: ۸۳۸ھ

مزار مبارک: مکن پور، تحصیل بلہور، ضلع کان پور (یوپی) میں واقع ہے۔

جہہ کی اولاد میں ہیں- آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی سید علی حلبی ابن سید بہاء الدین ابن سید ظہیر الدین ابن سید احمد ابن سید محمد ابن سید اسماعیل ابن امام الائمہ سید جعفر صادق ابن امام الاسلام سید محمد باقر ابن امام الدارین زین العابدین ابن امام الشہدا امام حسین ابن امام الاولیا حضرت علی ہے-)

نسب نامہ مادری: فاطمہ ثانیہ عرف فاطمہ تبریزی، دختر سید عبداللہ ابن سید زاہد ابن سید ابومحمد ابن سید ابوصالح ابن سید ابویوسف ابن سید ابوالقاسم ابن سید عبداللہ محض ابن سید حسن مجتبیٰ ابن امام العالمین حضرت امام حسن ابن امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ-

(تذکرۃ المتقین، حصہ: اول، ص: ۱۱۷)

تعلیم وتربیت: یہ نظام قدرت ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ جب کسی بندے کو اپنے خاص فضل وکرم، جودوعطا، لطف وعنایات سے بہرہ ور کر کے اس کو اقوام عالم کے لیے روح کی پاکیزگی، قلب کی طہارت اور رشد وہدایت کا ذریعہ بنانا چاہتا ہے تو آب وگل کی اس دنیا میں اس کو ایسی باوقار، باعظمت اور صاحب کشف وکرامات شخصیات کے حوالے کر دیتا ہے جو علم وفضل، زہد وتقویٰ، صدق وصفا، شرافت ودیانت جیسی خوبیوں کی جامع ہوں، چنانچہ آپ کی عمر شریف جب چار سال چار مہینے اور چار دنوں کی ہوئی تو سلف صالحین کی سنت کے مطابق تعلیم وتربیت کے لیے قطب ربانی، شیخ کبیر حضرت حذیفہ مرعشی شامی متوفی ۲۷۶ھ کی خدمت میں پیش کیا گیا- استاذ گرامی نے بچے کو دیکھتے ہی فراست باطنی سے لوح جبیں کی ان نوشتوں کو پڑھ لیا جو مستقبل میں بندگان خدا کے لیے رشد وہدایت کے روشن باب بننے والے تھے- پیشانی کو بوسہ دیا، زبان مبارک سے ھذا ولی اللہ کی صدا نکلی- استاذ محترم نے انتہائی دلچسپی کے ساتھ حق استاذی ادا کرتے ہوئے مختصر سی مدت میں ابتدائی تعلیم سے لے کر شریعت کے جملہ علوم وفنون میں یکتا ویگانہ بنا دیا- چنانچہ صرف چودہ سال کی مختصر سی عمر میں آپ کو جملہ علوم عقلیہ ونقلیہ پر کامل دسترس حاصل ہو چکی تھی- حافظ قرآن کے ساتھ آپ جملہ آسمانی کتب خصوصاً توریت وزبور وانجیل کے بھی حافظ وعالم بن گئے-

(تذکرۃ الکرام، تاریخ خلفا وعرب واسلام، ص: ۴۹۳)

سلطان التارکین حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ فرماتے ہیں:

"بعض علوم نوادر، مثلاً علم ہیمیا، سیمیا، کیمیا، ریمیا میں کامل دسترس رکھتے تھے-" (لطائف اشرفی، فارسی، ص: ۳۵۴)

بیعت وخلافت: علوم ظاہری کے بعد ان علوم کے حصول کے لیے آپ بے قرار ہو گئے جو صرف افکار ونظریات کو نہیں بلکہ قلب وروح کو بھی بالیدگی عطا کرے اور حقیقتوں کی قندیلیں روشن ہو جائیں- ان ابدی سعادتوں کے حصول کے لیے زیارت حرمین شریفین کا قصد فرمایا، والدین کریمین سے اجازت طلب کی اور جذبۂ شوق کی رہنمائی میں گھر سے روانہ ہو گئے-

قدم بڑھاتے رہے، دوریاں مٹتی گئیں، جنون عشق کشاں کشاں منزل مقصود سے قریب کرتا گیا- دوران سفر ایک منزل پر آپ نے قیام فرمایا اور مصروف عبادت ہو گئے- مناجات نیم شبی سے فارغ ہو کر آرام فرما تھے، اچانک پردۂ سماعت سے آواز ٹکرائی، بدیع الدین تیری مرادوں کے حصول کا وقت قریب آ گیا ہے- صحن بیت المقدس میں گروہ اولیا کے پیشوا اور امام تمہارا انتظار کر رہے ہیں- آنکھیں کھلیں، دل کی دنیا بدل چکی تھی- آپ بیت المقدس کے لیے روانہ ہو گئے- ۲۵۹ھ میں سلطان الاولیا حضرت بایزید بسطامی عرف طیفور شامی قدس سرہ نے صحن بیت المقدس میں نسبت صدیقیہ، طیفوریہ ونسبت بصیریہ طیفوریہ سے سرفراز فرمایا اور خلافت واجازت کا زریں تاج عطا فرما کر حلیہ باطنی سے آراستہ فرما دیا- ایک عرصے تک مرشد برحق کی خدمت میں رہ کر اسلام کی حقیقی تعلیمات، عرفان وآگہی اور روحانیت سے مستفیض ہوتے رہے-

یکم شوال المکرم ۲۶۱ھ میں سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی کا وصال پاک ہوا- حضرت قطب المدار نے اپنے مرشد کی تعلیم کے مطابق ایک عرصے تک گوشہ نشینی اختیار فرما کر مخصوص اوراد وو ظائف اور ذکر واذکار میں خود کو مشغول رکھا- زیارت حرمین شریفین کا موسم بہار جب دلوں کی سرزمین پر دستک دیا تو کائنات کے گوشے گوشے سے عازمین حج کے قافلے دیار نور کی طرف رواں دواں تھے، آپ نے بھی رخت سفر باندھا اور فریضۂ حج کے لیے روانہ ہو گئے- ارکان حج سے فارغ ہونے کے بعد اس مقدس دیار اور حریم قدس کی طرف روانہ ہو گئے جہاں صبح وشام قدسیوں کا میلہ لگا رہتا ہے، جہاں ہمہ وقت انوار وتجلیات کی موسلادھار بارش ہوتی رہتی ہے جو ہر مومن کا

کعبۂ ایمان بھی ہے اور قبلۂ مقصود بھی، سرفرازی عشق نے ایک دیوانے کو محبوب کے قدموں میں ڈال دیا، ابدی سعادتوں کا دروازہ کھلا، دریا کا بچھڑا ہوا قطرہ دریا سے جاملا- اٹھتی ہوئی موجوں نے اپنی آغوش میں لے لیا، کونین کے فرماں روا حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم مثال میں جلوہ گر ہوئے، نگاہ نبوت نے آپ کے سینۂ پاک کو جلوۂ حق کا گہوارہ بنادیا- اسی عالم میں مولائے کائنات حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہوئے، حکم رسالت مآب ہوا، علی! اس فرزند سعید کو علوم باطنی سے مزید سرفراز کرو، تاجدار ولایت تھے، آغوش رحمت میں لے کر آپ کے قلب کو ولایت عظمیٰ کا متحمل بنادیا اور بارگاہ رسالت میں پیش کردیا- حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے اسلام کی حقیقی تعلیم فرما کر شرف اویسیت سے مشرف فرمایا اور عہدۂ مداریت سے سرفراز فرما کر خلائق میں جبر وکسر اور عزل ونصب کا مختار بنادیا-

سلطان التارکین حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ ارشاد فرماتے ہیں:

''شیخ فریدالدین عطار قدس سرہ گفتہ اند کہ قومے از اولیاء اللہ عزوجل باشند کہ ایشاں را مشائخ طریقت وکبرائے حقیقت اویسیاں نامند کہ ایشاں را در ظاہر بہ پیری احتیاج نہ بود، زیرا کہ ایشاں را حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم در حجرۂ عنایت خود پرورش می دہند، بے واسطۂ غیرے چنانکہ اویس را دادہ ایں عظیم مقامی بود وروش عالی ترکرا اینجا رسانندوایں دولت بکہ رونماید بموجب آیت کریمہ **ذالک فضل اللہ یو تیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم**'' (لطائف اشرفی)

(شیخ فریدالدین عطار قدس سرہ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل کے ولیوں میں سے کچھ حضرات وہ ہیں، جنہیں بزرگان دین ومشائخ طریقت ''اویسی'' کہتے ہیں- ان حضرات کو ظاہر میں کسی پیر کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرۂ عنایت میں بذات خود ان کی تربیت اور پرورش فرماتے ہیں- اس میں کسی غیر کا واسطہ نہیں ہوتا، جیسا کہ آپ ﷺ نے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو تربیت دی تھی- یہ مقام اویست نہایت ہی اونچا، روشن اور عظیم مقام ہے، کس کی یہاں تک رسائی ہوتی ہے، یہ دولت کسے میسر آتی ہے بموجب آیت کریمہ، یہ اللہ تعالیٰ کا مخصوص فضل ہے، وہ جسے چاہتا ہے، عطا فرماتا ہے اور اللہ عظیم فضل والا ہے)

حضرت مخدوم مزید ارشاد فرماتے ہیں:

''حضرت شیخ بدیع الدین الملقب بہ زندہ شاہ مدار ایشاں نیز اویسی بودہ اند وبسے مشرب عالی داشتند وبعضے علوم نوادر از ہیمیا وکیمیا وریمیا از ایشیاں معائنہ شد کہ نادر ازیں طائفہ کسے را باشد-''

(لطائف اشرفی، فارسی، ص:۳۵۴)

(حضرت شیخ بدیع الدین ملقب بہ زندہ شاہ مدار قدس سرہ بھی اویسی ہوئے ہیں- نہایت ہی بلند مرتبہ اور شرف والے ہیں- بعض نادر علوم جیسے ہیمیا، کیمیا، ریمیا ان سے مشاہدے میں آئے ہیں جو اس گروہ اولیا میں نادر ہی کسی کو حاصل ہوتے ہیں)

مقام مداریت: ابھی ابھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت بدیع الدین احمد قطب المدار کو مقام مداریت، خلائق میں عزل ونصب اور جبر وکسر کا اختیار اور شرف نسبت اویسیت بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہوا- اب بزرگوں کے ارشادات کی روشنی میں دیکھا جائے کہ مقام مداریت کیا ہے اور قطب المدار کے تصرفات واختیارات کیا ہوتے ہیں تاکہ جماعت اولیائے کرام میں حضرت قطب المدار کی ذات بابرکات متعین کرسکیں-

مولانا غلام علی نقشبندی مجددی ارشاد فرماتے ہیں:

''حق تعالیٰ اجرائے کارخانہ ہستی وتوابع ہستی قطب مدار را عطا می فرماید وہدایت وارشاد ورہنمائی گمراہاں بدست قطب مدار می سپارد وبعد ازاں فرمودند کہ حضرت بدیع الدین شیخ مدار قدس سرہ قطب مدار بودند وشانے عظیم دارند-''

(حق تعالیٰ کارخانہ ہستی وتوابع ہستی کے اجرا کا کام قطب مدار کے سپرد فرما دیتا ہے اور گمراہوں کی ہدایت ورہنمائی قطب ارشاد سرانجام دیتا ہے- اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ حضرت بدیع الدین شیخ مدار قدس سرہ قطب مدار تھے اور عظیم شان والے تھے-

(درالمعارف، مطبوعہ استنبول، ترکی)

امام ربانی، مجدد الف ثانی حضرت شیخ سرہندی فرماتے ہیں کہ:

مجھ سے حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: **جعلنا اللہ تعالیٰ معینا لقطب المدار من اولیا اللہ تعالیٰ جعلہ اللہ تعالیٰ مدارا للعالم وجعل بقاء العالم ببرکۃ وجودہ وافاضتہ-**

(الحدیقۃ الندیہ فی شرح الطریقۃ النقشبندیہ)

(اللہ تعالیٰ نے مجھے اور حضرت خضر علیہ السلام کو قطب المدار کا معاون بنایا، جو اللہ تعالیٰ کا ایسا ولی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے عالم کے لیے مدار بنایا ہے اور عالم کی بقا، اس کے وجود کی برکت اور اس کے فیضان سے ہے)

سید میر جعفر مکی خلیفہ سید نصیر الدین چراغ دہلوی فرماتے ہیں:

''قطب عالم ہر زمانے میں ایک ہی ہوتا ہے، اہل دنیا اور آخرت میں سے تمام موجودات یعنی عالم علوی و سفلی کا وجود قطب عالم کے سبب قائم ہے اور قطب عالم کو حق تعالیٰ سے فیض بے واسطہ پہنچتا ہے، قطب عالم کو قطب مدار بھی کہتے ہیں یعنی موجودات علوی و سفلی کا دارو مدار قطب مدار کے وجود کی برکت کے سبب ہے۔''

(بحر المعانی، فارسی، ص:۸۳)

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

''اے محبوب غور سے سن کہ اقطاب اور قطب مدار کے مراتب کیا ہیں۔ اقطاب کا مرتبہ یہ ہے کہ اگر یہ لوگ چاہیں تو ولی کو ولایت سے معزول کر کے اس کی جگہ دوسرے کو مقرر فرمادیں اور قطب مدار یعنی قطب عالم کا مقام یہ ہے کہ اگر وہ چاہے تو قطبوں کو مقام قطبیت سے معزول کر دے اور اگر اللہ تعالیٰ فرشتوں کو کسی کام کا حکم فرما چکا ہو اور قطب مدار کی مرضی ہو کہ یہ کام نہیں ہونا چاہیے تو اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی رضا کے خاطر فرشتوں کو اس کام سے روک دے اور قطب مدار کے کہنے پر اللہ تعالیٰ لوح محفوظ کے نوشتے کو بھی محو فرمادے۔ مردوں کو زندہ کرنا، عرش و کرسی کو منتقل کر دینا، یہ سب قطب مدار کے تصرفات میں ہیں۔''

شیخ الشیوخ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی ارشاد فرماتے ہیں:

''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو مرتبہ قطبیت پر فائز فرماتا ہے تو عالم مثال میں اس کے لیے ایک تخت بچھا کر اس پر اس کو بٹھاتا ہے اور اس مکان کی صورت بحیثیت اس کے مقام و مرتبہ کے بناتا ہے، ہر چیز کے ساتھ احاطۂ علمی کے ذریعے اور اللہ سے بڑھ کر کون اعلیٰ مثل دے سکتا ہے تو جب وہ تخت بچھا دیا جاتا ہے جس کا طالب تمام عالم ہے اور اسما اس عالم کے طالب ہوتے ہیں، پھر اس سے حلّے ظاہر ہوتے ہیں وہ سب اس قطب کو پہنا کر اور تاج کرامت دے کر اس کو اس تخت پر بٹھاتے ہیں، اس وقت اس کی حالت خلیفہ کی ہوتی ہے، پھر اللہ جل شانہ تمام عالم کو حکم دیتا ہے اس سے بیعت کرنے کا، اس شرط پر کہ لوگ اس کی اطاعت کریں اور سختی و راحت ہر حال میں کریں، پس سارا عالم ادنیٰ و اعلیٰ سب اس کی بیعت میں داخل ہو جاتے ہیں۔

(فتوحات مکیہ، ص:۳۳۶)

تبلیغ و اشاعت: حضرت قطب المدار کو جو نعمتیں بارگاہ رسالت سے حاصل ہوئیں، ان نعمات الہیہ کو آپ نے صرف اپنی ذات تک محدود نہیں رکھا، بلکہ اسلام کی ترویج و اشاعت کے دوران خلق خدا کو ان نعمتوں سے خوب خوب مستفیض و مستفید فرمایا۔ تشنگان معرفت آپ کی خدمت میں آتے رہے اور تشنہ روحوں کو سیراب کرتے رہے۔

چنانچہ حکم رسالت ﷺ پا کر تبلیغ دین کے خاطر مدینۃ النبی علیہ السلام سے بھیگی پلکوں کے سائے میں روانہ ہوئے۔ سمرقند، بخارا، طوس، خراسان، بدخشاں، بغداد کا دورہ فرمایا۔ ہندوستان کی یہ سرزمین جہاں کبھی صرف اور صرف کفر و شرک کی فصلیں اگتی تھیں، جس کی فضاؤں میں نغمہ توحید و رسالت کی خوشبو کے بدلے معبودان باطل کے لیے ''جے'' کے نعرے زہر گھول رہے تھے، اس کفرستان کی تیرہ و تاریک میں جن مبلغین نے اسلام کی شمعیں روشن کیں، ان میں حضرت قطب المدار کا بہت اہم حصہ ہے۔

فیضان سلسلہ عالیہ مداریہ: طریقت و تصوف کی دنیا میں سلسلہ عالیہ مداریہ آفتاب عالم تاب ہے، جس کی کرنوں سے ایشیا و یورپ کے تمام سلاسل اور ارشاد و سلوک کی تمام خانقاہیں درخشندہ ہیں، چونکہ یہ سلسلہ قدیم ہونے کی وجہ سے چار پانچ یا صرف چھ واسطوں سے رحمت عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچ جاتا ہے، نیز شرف اویسیت سے مالا مال ہے، انہی حسنات و برکات کے حصول کے لیے اہل دل، اہل نظر نے اسے اپنایا اور اپنے لیے کامیابی و کامرانی کا باعث جانا۔

یہاں ان چند سلاسل کا ذکر کیا جاتا ہے، جنہوں نے اس سلسلۂ عالیہ مداریہ کو اپنایا اور فیضان مداریت سے مالا مال ہو کر اپنے منصب و کمال پر مہر تصدیق ثبت کی۔

سلسلۂ قادریہ برکاتیہ میں سلسلۂ مداریہ: سلسلہ عالیہ قادریہ کے بزرگوں نے اپنی اپنی تصانیف میں اس حقیقت کا برملا اظہار کیا ہے کہ انہیں دیگر سلاسل کے ساتھ خصوصاً سلسلہ مداریہ کی نسبت حاصل ہے۔

حضرت میر سید محمد ترمذی کالپوی قدس سرہ، جو کالپی شریف کی خانقاہ کے بانی ہیں۔ آپ کو سلسلۂ قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ کے ساتھ

سلسلہ عالیہ بدیعیہ مداریہ کا فیضان بھی حاصل ہے- چنانچہ میر غلام علی آزاد بلگرامی فرماتے ہیں:

"میر سید محمد الترمذی الکالپوی قدس سرہ (۱۰۰۶ھ/ ۱۰۷۱ھ)

تتمۂ کتب تحصیلی قدرے پیش مولانا عمر جاجموی رحمہ اللہ روحہ واکثر در حلقہ درس شیخ جمال کوڑوی قدس سرہ گزرانید ودر فضیلت صوری رتبہ بلند حاصل کردند و فاتحہ فراغ از شیخ جمال اولیا گرفتند وہم با حضرت شیخ در طریقۂ عالیہ چشتیہ بیعت کردند واجازت سلاسل قادریہ سہروردیہ، مداریہ یافتند-" (مآثر الکرام)

(سید محمد ترمذی کالپوی قدس سرہ نے درس نظامی کی آخری کتابیں کسی قدر مولانا عمر جاجموئی سے پڑھیں اور اکثر شیخ جمال کوڑوی قدس سرہ کے حلقۂ تدریس میں شامل رہے- فضیلت صوری میں بلند مقام حاصل کیا اور فاتحہ فراغ جمال اولیا سے پایا اور آپ ہی سے طریقہ عالیہ چشتیہ میں بیعت ہوئے اور سلسلہ قادریہ، سہروردیہ، مداریہ میں اجازت حاصل کی-)

مصنف "تذکرۂ مشائخ قادریہ" سلطان العاشقین حضرت سید شاہ برکت اللہ مارہروی قدس سرہ کے تعلق سے لکھتے ہیں:

"مارہرہ مطہرہ کو روحانیت کی آماجگاہ اور طریقت وتصوف کی درس گاہ بنانے والی آپ ہی کی مقدس ذات ہے- سلسلہ برکاتیہ آپ کی ہی ذات کے طرف منسوب ہے، آپ نے علوم باطن اپنے والد گرامی سے حاصل کیا اور سلوک کی منزلیں سلاسل خمسہ: قادریہ، چشتیہ، نقش بندیہ، سہروردیہ، مداریہ کی نسبتوں سے طے کی-"

(تذکرۂ مشائخ قادریہ رضویہ برکاتیہ)

حضرت صاحب البرکات کو حضرت شاہ فضل اللہ کالپوی سے سلسلۂ مداریہ کی اجازت: "صاحب البرکات حضرت شاہ برکت اللہ ماہرو ی قدس سرہ نے جب حضرت شاہ فضل اللہ کالپوی قدس سرہ کا شہرہ سنا تو آپ سے ملاقات کے لیے کالپی تشریف لائے، جب آپ پر حضرت سید شاہ فضل اللہ کالپوی ی قدس سرہ کی نگاہ پڑی، آگے بڑھ کر سینے سے لگایا اور ارشاد فرمایا: "دریا بدریا پیوست، جملہ امور صوری ومعنوی سے معمور ہے، آپ کا سلوک انتہا کو پہنچا ہوا ہے، آپ تشریف لے جائیے اور اپنے گھر میں قیام فرمائیے، مزید تعلیم وتعلم کی آپ کو حاجت نہیں -" پھر ایک دو مقدمات جو اس راہ کے معظمات سے تھے، عنایت فرما کر سلاسل خمسہ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ، مداریہ کی اجازت مع سند خلافت اور دوسرے اعمال واشغال عنایت فرما کر دو روز سے زیادہ وہاں رہنے کی اجازت نہیں دی-"

(اصح التواریخ، بحوالہ تذکرۂ مشائخ قادریہ رضویہ برکاتیہ)

حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہ کو سلسلۂ مداریہ کی اجازت: "حضور سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہ کی ذات گرامی محتاج تعارف نہیں، آپ کو اجازت وخلافت اپنے شیخ طریقت حضرت سید شاہ آل رسول مارہروی قدس سرہ سے تھی، ارشاد وسلوک کی تکمیل کے بعد شیخ کامل نے جو سند خلافت آپ کو بخشی وہ یہ ہے:

"نور نگاہ، سرور قلب وسینہ، میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور میرے دل کا قرار سید ابوالحسین احمد نوری میاں صاحب طول عمرہ وزید قدرہ کو پانچوں سلاسل: قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ،

کی اجازت وخلافت اور خاندان برکاتیہ کے معمولہ تمام اذکار و اشغال اور اوراد و وظائف کی اجازت بعینہ اسی طرح دے رہا ہوں جس طرح مجھ کو میرے مرشد حضرت سید شاہ ابوالفضل آل احمد اچھے میاں انار اللہ برہانہ سے میرے والد ماجد حضرت سید آل برکات عرف ستھرے میاں نور اللہ مرقدہ سے مجھے پہنچی ہے اور موصوف کو میں اپنا خلیفہ مجاز و ماذون قرار دیتا ہوں-" (تذکرۂ مشائخ قادریہ)

سلسلۂ مجددیہ نقشبندیہ میں سلسلۂ مداریہ: امام ربانی، مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی قدس سرہ کی ذات گرامی محتاج تعارف نہیں، آپ کے علم وفضل سے عالم کا گوشہ گوشہ روشن ہے- بزرگان دین کے جن سلاسل میں آپ کو اجازت وخلافت حاصل تھی، ان میں سلسلہ عالیہ مداریہ بھی خصوصیت سے مذکور ہے- چنانچہ خزینۃ الاصفیا میں ہے:

"حضرت شیخ مجدد اجازت تلقین در سلاسل مثل ہم سلسلہ رفاعیہ مداریہ، کبرویہ وغیرہ وغیرہ علیحدہ علیحدہ از شیخ عبدالاحد پدر بزرگوار خود است-" (خزینۃ الاصفیا، جلد: اول)

خاندان مجددیہ میں سلسلہ مداریہ: معرفت وتصوف کی معتبر کتاب درالمعارف کے مرتب ومؤلف حضرت شاہ رؤف احمد کا شجرۂ مداریہ یہ ہے:

حضرت شاہ رؤف احمد ابن حضرت شاہ شعور احمد ابن حضرت محمد اشرف ابن حضرت شیخ رضی الدین ابن حضرت شیخ زین العابدین ابن

سید محضر علی حلبی ☆

حضرت قطب المدار: ۲۴۲ھ سے ۸۳۸ھ تک

حاصل مقام صمدیت، واصل مقام محبوبیت، تبع تابع العصر حضرت سید بدیع الدین احمد مدار رضی اللہ عنہ کی ولادت ۲۴۲ھ ہے اور وفات ۸۳۸ھ۔ اس طرح ۵۹۶ھ سال آپ نے عمر مبارک پائی۔ اس سلسلے میں مؤرخین کے اختلافات پائے جاتے ہیں، لیکن مستند اور جمہور محققین نے تحریر فرمایا ہے کہ ۲۴۲ھ ہی صحیح ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جن مؤرخین نے ۲۴۲ھ سے اختلاف کیا ہے، انہوں نے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ آپ سلطان العارفین بایزید بسطامی سے بیت المقدس میں بیعت ہوئے اور خلافت حاصل کی۔ ۲۶۱ھ میں حضرت بایزید بسطامی نے وصال فرمایا، اس کے علاوہ ۲۴۲ھ سے ۸۳۸ھ تک معتبر مؤرخین نے آپ کا ذکر کہیں اجمالی کہیں تفصیلی کیا ہے۔ حضرت حذیفہ مرعشی شامی سے بھی آپ نے شرف تلمذ حاصل کیا۔

حضرت حذیفہ مرعشی شامی کے بارے میں حضرت عبدالرحمٰن چشتی تحریر فرماتے ہیں کہ:

"آپ حضرت ابراہیم بن ادھم بلخی کے مرید و خلیفہ تھے، آپ نے خرقۂ خلافت خواجہ ابراہیم بن ادھم سے حاصل کیا اور جو نعمت کہ حضرت خواجہ ابراہیم ادھم رضی اللہ عنہ، حضرت علی، امام محمد باقر اور فضیل بن عیاض سے حاصل کی، سب خواجہ حذیفہ مرعشی شامی کے حوالے کر دی اور اپنا جانشین بنایا اور آپ سفر و حضر میں خواجہ ابراہیم ادھم کی خدمت میں رہتے تھے، آپ نے اپنے وقت کے تمام مشائخ عظام سے فیض صحبت حاصل کیا، آپ کے کرامات و کمالات بے شمار ہیں جو احاطہ تحریر سے باہر ہیں۔" (مرآۃ الاسرار، ص: ۳۰۵)

حضرت خواجہ حذیفہ مرعشی شامی حضرت ابراہیم بن ادھم کے مرید و خلیفہ تھے، حضرت ابراہیم بن ادھم کی وفات ۱۸۷ھ میں ہوئی۔ سبھی تذکرہ نگاروں نے تحریر کیا ہے کہ حضرت قطب مدار سید بدیع الدین کو آپ کے والدین کریمین نے برائے تعلیم حذیفہ مرعشی شامی کے سپرد فرمایا، حضرت حذیفہ نے الف پڑھایا، حضرت بدیع الدین شاہ مدار نے الف کی ایک ہفتے تک شرح بیان فرمائی، چونکہ آپ حضرت خواجہ ابراہیم بن ادھم کے مرید ہیں اور آپ کی وفات ۱۸۷ھ میں ہے، اس لیے یہ بات قرینۂ قیاس ہے کہ حذیفہ شامی ۲۴۲ھ میں موجود تھے۔

مولانا حکیم فرید احمد عباسی محمدی نقشبندی، طبیب ریاست بھیکم پور نے اپنی کتاب "مدار اعظم" ۱۳۳۳ھ میں لکھی ہے، اس میں "کشف المحجوب" کے حوالے سے صفحہ ۱۲۸ر پر تحریر فرمایا ہے:

"احمد بن مسروق خراسان کے بزرگوں میں سے تھے اور اولیاء اللہ کا اتفاق ہے کہ وہ "اوتاد الارض" میں سے تھے۔"

بعض قلمی کتابوں میں تحریر ہے کہ ابوالعباس احمد بن مسروق مرید وخلیفہ حضرت شاہ مدار کے ہیں۔ "تذکرۃ الاولیا" میں بھی تحریر ہے کہ:

"آپ کو قطب المدار کی صحبت حاصل تھی۔"

"تاریخ اولیا" کے مصنف نے جلد اول کے صفحہ ۲۶۷ میں لکھا ہے کہ شیخ ابوالعباس احمد بن محمد مسروق رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سید بدیع الدین احمد مدار کا زمانہ ایک تھا۔ شیخ ابوالعباس احمد بن محمد مسروق آپ کی خدمت میں اکیس برس تک رہے اور آپ ہی کی توجہ سے قطبیت پر فائز ہوئے، بغداد شریف میں آپ کا مزار مبارک ہے۔

"فضائل اہل بیت اطہار" میں "آئینہ نسب نامہ" کے حوالے سے مولانا سید مختار علی نے صفحہ ۶۱ر پر تحریر کیا ہے:

"۲۹۹ھ میں شیخ احمد بن محمد مسروق کی وفات ہوئی۔"

ان قدیم اور مستند حوالوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت سید بدیع الدین احمد مدار مذکورہ بزرگوں کے زمانے میں بھی حیات ظاہری کے ساتھ موجود تھے۔

"کرامت مسعودیہ" جو مولانا محمد علیم اودھی کی عربی تصنیف ہے، جس کا فارسی ترجمہ مولانا محمد مسیح اودھی نے کیا ہے، پھر اس کا اردو ترجمہ مولانا الٰہی بخش نقشبندی نے کیا۔ یہ کتاب پہلی بار قومی کتب خانہ لکھنؤ سے ۱۲۹۶ھ میں چھپی۔ اس کتاب میں مرقوم ہے کہ:

"سید سکندر دیوانہ فرماتے ہیں کہ: سلطان محمود غزنوی کی بدولت عمدہ عمدہ، نفیس کپڑے پہنتا رہا، جب ۴۰۱ھ میں سلطان نے سید سالار

ساہوکو، جو کہ میرے چچا ہیں، ایک زبردست فوج کے ساتھ قندھار سے مظفر خان کی امداد کے لیے اجمیر شریف بھیج دیا تو اس وقت مظفر خان، رائے بھیرو، رائے سوم کرپا، رائے سنگھ، رائے سوکن، رائے مہندر، رائے ماکھن، رائے جگن وغیرہ انتالیس (۳۹) راجاؤں کے نرغے میں محصور تھا، میں اس وقت میں خاص سلطان کا اردلی تھا اور نانائے معظم حضرت سید سالار ساہو غازی مجھ سے بہت محبت فرماتے تھے، مجھے ان کی جدائی ہرگز گوارہ نہ ہوئی، گھر کا انتظام ظہیر فرزانہ کو سپرد کر کے اور سلطان محمود غزنوی سے اجازت لے کر حضرت سید ساہو سالار غازی کے ساتھ ٹھٹھر کے راستے اجمیر پہنچا، راستے میں حضرت قطب المدار زندہ شاہ مدار سے ملاقات ہوئی، جیسے ہی ان کی نظر سید سالار ساہو غازی پر پڑی تو فوراً کہا ''سید سالار مسعود غازی کے باپ ادھر آؤ'' میں یہ سن کر متعجب ہوا کہ زندہ شاہ مدار کیا فرمارہے ہیں، مگر سید سالار ساہو غازی کو اس کی آرزو ضرور ہے، غرض کہ حضرت سید سالار ساہو غازی اس مقام سے آگے بڑھے اور سب راجاؤں کو شکست دے کر کافروں سے مسلمانوں کو نجات دلائی، چند صوبہ جات فتح کر کے سلطان حکومت میں شامل ہوئے، جب ذرا اطمینان ہوا تو چچی معظمہ مخدومہ کو غزنی سے ہندوستان بلوالیا- قدرت خدا سے ۴۰۵ھ میں سید سالار ساہو غازی کے ایک فرزند آفتاب کی طرح روشن ہوا اور اس کا نام مسعود رکھا گیا، مفصل حال ''تواریخ محمودی'' میں درج ہے- میرا اعتقاد حضرت سید بدیع الدین زندہ شاہ مدار کے ساتھ مضبوط ہو گیا اور ارادہ کیا کہ ان کے ساتھ چل کر فقیری اختیار کروں، ایک دن حضرت سید سالار ساہو غازی نے کچھ تحائف دے کر مجھے حضرت سید بدیع الدین زندہ شاہ مدار کے پاس بھیجا اور کہا کہ تم آگے چلو، میں ابھی آتا ہوں، میں تو خدا سے یہی دعا کرتا تھا کہ بارگاہ قطب المدار میں حضوری ہو اور میں حاضر ہوا اور ان کے سامنے جا کر تحائف کو پیش کیا اور قدم چومے- میں نے دست بستہ عرض کیا کہ حضرت مجھے اپنے سلسلے میں داخل کر لیجیے، زندہ شاہ مدار نے کہا ''تم تو عمدہ عمدہ لباس پہنتے ہو، عیش و عشرت میں زندگی بسر کر رہے ہو، فقیری میں یہ آرام کہاں؟'' میں نے سن کر اپنے سب کپڑے پھاڑ ڈالے، ستر چھپانے کے لیے ایک تہبند رکھ لیا اور سلسلہ عالیہ مداریہ میں داخل ہوا، ایک روز بعد حضرت سید سالار ساہو غازی اپنے فرزند کو لے کر حاضر ہوئے اور زندہ شاہ مدار کے سامنے پیش کیا، مسعود کی آنکھ جیسے ہی حضرت سید بدیع الدین شاہ مدار پر پڑی، سلام کے لیے ہاتھ اٹھایا، زندہ شاہ مدار نے خیریت پوچھی، آپ نے دائیں بائیں گردن ہلائی، حضرت سید سالار غازی نے آپ کو حضرت شاہ مدار کے قدموں پہ ڈالنا چاہا تو آپ نے زور سے رونا شروع کر دیا اور منہ آسمان کی جانب بلند کیا، ہر چند حضرت سید سالار ساہو غازی گردن ان کی پھیرنا چاہتے، مگر بے سود، ان کا رونا کم نہیں ہوتا تھا، آخر حضرت زندہ شاہ مدار نے اٹھ کر گود میں لے لیا، ہاتھ پیروں کو چوما، پیشانی پر بوسہ دیا اور یہ کہا کہ آج سے تو ہمیشہ اس کے ساتھ رہا کر، اس کی مصاحبت سے تجھ کو شہادت کا رتبہ ملے گا اور میں آج سلسلہ عالیہ مداریہ کی اجازت و خلافت سے تمہیں نواز رہا ہوں- (کرامات مسعودیہ، ص: ۲۷)

ایک ہندو مورخ آچاریہ چتورسین نے ایک کتاب تحریر کی، جس کا نام ''سومنات'' رکھا اور سوراشٹر کے شہر ویراول کے مندر سومنات اور ساہو سالار سے متعلق پورا واقعہ تفصیل سے درج کیا ہے، جس میں بہت دلچسپ انداز سے صفحہ ۱۲۹؍ سے ۱۳۴؍ تک ''شاہ مدار'' عنوان سے لکھا ہے:

اجمیر شریف میں مدار ٹیکری پر شاہ مدار تشریف فرما تھے، ساہو سالار کے دو سپاہیوں نے حضرت سید بدیع الدین شاہ مدار سے ملاقات کا شرف حاصل کیا اور سومنات کی فتح کے بارے میں دعا کی درخواست کی، حضور قطب مدار نے فرمایا: ''اللہ ضامن ہے اور میں دعا گو ہوں-'' اس کے بعد ساہو سالار خود حاضر ہوئے اور فتح کے لیے دعا کی درخواست کی- سرکار قطب المدار نے ارشاد فرمایا: ''اللہ حاکم ہے اور میں دعا گو ہوں، جاؤ'' سرکار قطب المدار کا حکم پاتے ہی سیدنا سالار غازی نے سفر کیا، آپ کے ساتھی سپاہیوں نے آپ سے پوچھا، آپ نے ارشاد فرمایا شاہ مدار ضامن ہیں اور فتح قریب ہے، حضرت ساہو سالار حضور مدار پاک سے اجازت لے کر مجاہد اسلام کی کمک کے لیے روانہ ہوئے، حضرت سیدنا مسعود غازی کا آپ کی دعا سے پیدا ہونا اور حضرت سالار ساہو اور محمود غزنوی کا حضرت قطب مدار کی دعا سے سومنات کے مندر پر فتح پانا، اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضرت ۴۰۰ھ کے وسط سے ۴۱۸ھ تک ہندوستان میں موجود تھے اور مختلف مقامات پر کار تبلیغ میں مشغول پائے گئے-

غوث اعظم حضرت سیدنا محی الدین عبدالقادر جیلانی کی ولادت کے بارے میں کسی نے مادۂ ولادت ''عاشق'' تحریر کیا ہے تو کسی نے

"عشق گویا" آپ کی تاریخ ولادت ۴۷۰ھ یا ۴۷۱ھ ہے۔ حضرت غوث اعظم سے حضرت قطب مدار کی دو ملاقاتیں معتبر مورخین کے قلم سے ثابت ہیں۔

حضرت علامہ محمد جانی ابن احمد القانی قادری نے "الکواکب الدراریہ فی تنویر مناقب المداریہ" عربی زبان میں تحریر فرمائی ہے، جس کا اردو ترجمہ مولانا محمد باقر جائسی صاحب نے کیا ہے۔ راقم الحروف کے پاس عربی اور اردو کے دونوں نسخے موجود ہیں، 'الکواکب الدراریہ' کے اردو ترجمے کے صفحہ ۹۰ پر تحریر ہے کہ حضرت سید بدیع الدین قطب المدار جب بغداد شریف تشریف فرما ہوئے تو حضرت قطب مدار اور حضرت غوث اعظم قریب صحبت ہوئے اور دریائے محبت حق میں غوطہ زن ہوئے، اس وقت حضرت سیدنا غوث پاک کی کیفیت جلالی تھی۔ بعض مورخین نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت قطب مدار کی توجہ سے غوث پاک کا جلال جمال میں تبدیلی ہوگیا۔ اس کے علاوہ حضور غوث پاک نے حضور مدار پاک کی خدمت میں دو بھانجے اور دو بھتیجے خدمت دین اور تربیت کے لیے پیش کیے۔ بھانجوں کے نام اس طرح ہیں:

(۱) حضرت سید جمال الدین جانمن جنتی، جن کا مزار مقدس ہیلسہ جتی نگر (بہار) میں مرجع خلائق ہے۔

(۲) سید احمد بادیاپا، ان کا مزار مقدس درگاہ نام کے ایک گاؤں میں ہے، جو اعظم گڑھ اور مئو کے درمیان ہے، یوپی کے مشہور قصبوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ کے دو بھتیجوں کے نام یہ ہیں: (۱) حضرت میر رکن الدین حسن عرب (۲) اور حضرت میر شمس الدین حسن عرب، ان کے مزارات مکن پور سے چار کلو میٹر دوری پر واقع ہیں۔

حضرت سید محمد اور سید احمد کے والد کا نام مؤرخین نے سید محمود تحریر کیا ہے، جب کہ ان کی والدہ کا نام سیدہ بی بی نصیبہ لکھا گیا ہے۔

راقم الحروف پہلی بار جب بغداد معلیٰ پہنچا تو حضور سیدی وسندی آقائی ومولائی سیدی محی الدین عبدالقادر جیلانی غوث صمدانی رضی اللہ عنہ کی بارگاہ کے صحن میں جو مہمان خانہ صدام حسین کا تعمیر کردہ ہے، اس میں کئی روز قیام کیا اور وہاں کے ذمہ داران سے حضور غوث پاک کی بہن کے بارے میں معلومات کی، کسی نے کوئی تشفی بخش جواب نہ دیا، اس کے بعد احمد خان جو افغانستان کے رہنے والے ہیں اور عربی و اردو دونوں زبانیں بولنے پر قدرت رکھتے ہیں، ان سے بھی معلومات حاصل کیں کہ کیا حضور غوث الاعظم دستگیر کی کوئی بہن بھی تھیں؟ انہوں نے بھی نیست میں جواب دیا۔ اس کے بعد سیدنا غوث اعظم کی بارگاہ میں میں نے عرضی پیش کی اور اپنے حجرے میں آگیا، اسی تشویش میں تھے کہ "مخزن کرامات" کا فیض ہوا۔ سامنے الماری کی طرف نظر گئی، وہاں ایک کتابچہ رکھا ہوا تھا، جس پر تحریر تھا "فاتحہ گیارہویں شریف" جس میں حضور غوث پاک کے فاتحہ کا طریقہ تحریر تھا کہ قرآن کریم اور درود پاک وغیرہ پڑھ کر یہ اشعار ضرور پڑھیں۔

سید و سلطان فقر و خواجہ مخدوم الغریب
بادشاہ و شیخ و درویش وولی مولانہ
میر صالح فاطمہ ثانی اسامی والدین
بوسعید پیر ایشاں مرد حق مردانہ
زینب و بی بی نصیبہ خواہران حضرت اند
ایں اسامی پاک را باید کہ ہر فرزانہ

ان اشعار میں سیدنا غوث پاک کی دو بہنوں کا نام پڑھ کر مسرت وشادمانی حاصل ہوئی، اکثر لوگ کہتے ہیں کہ آپ کی کوئی بہن نہیں تھی، حالانکہ سیدنا غوث اعظم محبوب سبحانی عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ النورانی کے سیرت نگاروں نے اپنی کتابوں میں کئی بہنوں کا تذکرہ کیا ہے۔

مشہور عالم، محدث اور صاحب 'مرقات' 'نزہۃ الخاطر الفاطر' ملا علی قاری ارشاد فرماتے ہیں:

"سیدنا غوث اعظم کی ایک بہن تھیں، جن کا نام عائشہ تھا، جو صاحب کرامات ظاہرہ وآیات باہرہ تھیں۔"

(محبوب الاتقیا فی ذکر سلطان الاولیا، ص:۵)

یہ کتاب اردو زبان میں اسلامی اسٹیم پریس لاہور سے شائع ہوئی ہے۔ "نزہۃ الخاطر الفاطر فی ترجمۃ السید الشریف عبدالقادر" کا اردو ترجمہ ہے جو ملا علی قاری کی طرف منسوب ہے۔

"الدر المنظم" میں ہے کہ: "غوث اعظم محبوب سبحانی عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کی دو بہنیں تھیں، ایک کا نام بی بی زینب، ایک روایت میں ہے کہ ایک کا نام جلیسہ، دوسری کا نام رقیہ تھا۔" (الدر المنظم فی مناقب غوث اعظم، از انور علی شاہ قادری قلندری، ص:۴۳)

دوسری ایک اہم کتاب میں ذکر ہے کہ:

''نام پاک خواہران غوث پاک بود بی بی حلیمہ و بی بی رقیہ''
(کنز الانساب، ص:۳۴)

''تفریح العاشقین'' میں ہے کہ:''غوث اعظم کی ایک بہن تھی مسمات نصیبہ، ان کو بھی خدائے تعالیٰ نے مظہر کرامات فرمایا تھا۔''
(تذکیر العارفین فی احوال سید الکاملین، ص:۷، از ابوالحسن حسن بن حسین علوی قادری کاکوری)

یہ کتاب رضا لائبریری رام پور میں موجود ہے۔

خلیفۂ مفتی اعظم ہند مولانا ہدایت رسول قادری کے صاحبزادے مولانا محمد عمر قادری برکاتی رضوی اپنی کتاب ''زینت المیلاد'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''آپ کے والد کا نام ابوصالح اور والدہ ماجدہ کا اسم گرامی فاطمہ ثانی اور شیخ محترم ابوسعید ہیں۔ زینب و بی بی نصیبہ آپ کی بہنیں ہیں۔''
(زینت المیلاد، ص:۱۵۶)

نسب نامہ کی مشہور کتاب ''مرأۃ الانساب'' جس میں حضرت سید بدیع الدین شاہ مدار کا شجرہ، ہر سہ خواجگان تک موجود ہے، اس کتاب میں تحریر ہے کہ حضرت سید بدیع الدین قطب المدار نے حج کا ارادہ کیا، اثنائے راہ بغداد شریف پہنچے، حضرت غوث پاک کی ہمشیرہ کی اولاد نہیں ہوتی تھی، انہوں نے آپ سے دعا کی استدعا کی، حضرت شاہ مدار کی دعا کی برکت سے ان کی اولاد ہوئی۔'' (مرأۃ الانساب، ص:۱۵۸، از ضیاء الدین احمد علوی مجددی امروہی، مطبوعہ ترپولیہ، جے پور)

حضرت غوث پاک کی ہمشیرہ کے متعلق صاحب ''خم خانہ تصوف'' رقم طراز ہیں کہ:

''بی بی نصیبہ کی کوئی اولاد نہیں تھی، جب قطب المدار بغداد تشریف لے گئے، بی بی نصیبہ آپ کی دعا کی طالب ہوئی، آپ کی دعا سے دولڑکے پیدا ہوئے۔'' (خم خانۂ تصوف، ص:۳۶۸)

مولانا فصیح اکمل قادری ''سیرت قطب عالم'' میں لکھتے ہیں:

''دوسرا واقعہ یہ ہے کہ نصیبہ نے جو حضرت غوث پاک سے اولاد کے لیے استدعا کی، چنانچہ موصوف نے ان کو شاہ مدار کی طرف رجوع کرایا اور آپ کی دعا کی برکت سے باری تبارک وتعالیٰ نے ان کو دو بیٹے خجستہ کردار اور سعادت آثار عنایت فرمائے، بڑے صاحبزادے کا نام سید محمد تھا اور چھوٹے صاحب زادے کا نام سید احمد تھا۔''
(سیرت قطب عالم)

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی، پروفیسر ہمدرد یونیورسٹی، دہلی اپنے ایک مقالے میں حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کے بھانجے کا ذکر کرتے ہوئے اس طرح رقم طراز ہیں:

''شیخ محمد بن احمد قطب الدین مدنی سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے بھانجے ہیں، اپنے ماموں کے وصال کے بیس سال بعد ۵۸۱ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے، اپنے ماموں زاد بھائی سیدنا عبدالرزاق قادری ۶۱۳ھ اور حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ ۶۱۷ھ سے استفادہ کیا اور کسب علوم وفنون کر کے یگانہ روزگار ہوئے۔''
(ماہنامہ سنی دنیا، شمارہ جون، جولائی ۱۹۹۶ء، ص:۵۱)

فارسی ترجمہ ''ثمرۃ القدس'' جو ملا کامل کی تصنیف ہے، اس رسالے کے مؤلف ''خلاصۃ الداریہ'' سے نقل کرتے ہیں کہ:

''حضرت سید بدیع الدین قطب المدار پانچویں صدی ہجری میں عرب کی سیاحت فرماتے ہوئے بغداد تشریف لائے اور غوث الثقلین ابو محمد محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ النورانی سے ملاقی ہوئے، اس وقت دونوں کے درمیان ایک عجیب کیفیت رونما ہوئی السّیر وسرّہٗ، الغرض حضور غوث پاک نے قطب المدار کے کمالات کا مشاہدہ فرمایا اور اپنے دونوں بھانجوں یعنی سید محمود کی زوجہ سیدہ بی بی نصیبہ کے دونوں صاحبزادے کو لے کر مخزن اسرار سید بدیع الدین قطب المدار کی خدمت میں تشریف لائے اور فرمایا یہ دونوں میری چھوٹی بہن بی بی نصیبہ کے دل بند ہیں، آں برادر کی ذات بابرکات سے فائز المرام ہونا چاہتے ہیں۔ ایک اور قول کے مطابق حضور غوث پاک نے بی بی نصیبہ کے لیے خود ہی قطب المدار سے دعا کے لیے درخواست کی تھی اور فرمایا کہ اے برادر! رب العزت کی درگاہ میں میری بہن کے لیے دست دعا بلند فرمائیں۔''

ثمرۃ القدس میں ایک تیسری روایت اس طرح ہے:

''قطب مدار، غوث پاک کی ملاقات کے بعد حج کو چلے گئے اور سفر حج کی واپسی میں دوسری بار تشریف لائے اور بی بی نصیبہ نے غوث پاک کی وصیت کے مطابق اپنے دونوں فرزندوں کو جو قطب المدار کی دعا سے پیدا ہوئے تھے، بارگاہ مداریت میں پیش کیا، حضرت شاہ مدار نے ان دونوں کو دل وجان سے قبول کیا اور انہیں لے کر استنبول

وتلقین توبہ کند و بخرقہ صلاح وتفاوت درآرد، دوم خرقہ محبت است کہ بعد ارادت مرید را جامہ یا خرقہ بدہد یا دو درویش دو یکدیگر بطریق رفاقت مدنی سپردہ باشد چوں از ہمہ دیگر فرقت واقع شود یکے دیگر را خرقہ محبت بدہد چنانچہ حضرت شیخ بدیع الدین الملقب بشاہ مدار قدس سرہٗ العزیز بہ حضرت قدوۃ الکبریٰ ایام کثیرہ وعوام کبرہ ہم دیگر طریق سفری سپردند بسوے خطہ اودھ صانہا اللہ عن البلیات کسبیل خضر بیک دیگر بسری سپردند چوں از بندہ دوم حضرت شیخ مدار بسوے خطہ اودھ صانہا اللہ عن البلیات عود نمودند بحضرت ایشاں خرقہ محبت الباس کردند ودر وقت ہم دیگر رقت بسیار کردند۔ (لطائف اشرفی، ص: ۳۳۸)

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

"اگر مردے صوفی باشد بشناسد حضرت شیخ بدیع الدین مشرب عالی داشتند یعنی علوم نوادر از ہمیا وکمیا، ریمیا از ایشاں معائنہ شد کہ نادر ازیں طائفے کسے نباشد در یک سفر مکہ معظمہ زادھا اللہ شرفاً وتعظیماً صحبت بودہ ایم واستفادہ ہمہ دیگر واقع شدہ است۔" (ص: ۳۵۴)

لطائف اشرفی میں ذکر ہے کہ حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی کچھوچھوی رضی اللہ عنہ نے خرقہ کی کئی قسمیں بیان فرمائی اور یہ ارشاد فرمایا کہ سید بدیع الدین شاہ مدار نے مجھے خرقہ محبت سے سرفراز کیا اور سفر حجاز میں عرصہ دراز تک میں شاہ مدار کے ہمراہ رہا۔

یہ شہادت اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ حضرت قطب المدار ۷۰۰ھ میں بھی جلوہ افروز تھے۔

"تاریخ سلاطین شرقیہ وصوفیائے جون پور" کے مؤلف سید اقبال جون پوری نے حضرت قطب المدار کا نوے صفحات پر تفصیلی تذکرہ کیا ہے کہ جون پور کا بادشاہ ابراہیم شرقی، جو حضرت قطب المدار کا مرید وخلیفہ تھا، حضرت قطب المدار کا بڑا والہانہ استقبال کیا اور جون پور کے اکثر و بیشتر لوگ حضرت سید بدیع الدین شاہ مدار کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ بادشاہ بھی مرید ہوا اور خلافت حاصل کی۔ میر صدر جہاں بھی مرید وخلیفہ ہوئے اور ملک العلما قاضی شہاب الدین دولت آبادی خلافت سے سرفراز ہوئے۔

الغرض ان شواہد سے یہ بات بالکل ثابت ہوتی ہے کہ حضرت قطب المدار کی ولادت ۲۴۲ھ میں ہوئی، جب کہ ۸۳۸ھ میں آپ کا وصال ہوا اور مکن پور ضلع کان پور یوپی میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ جہاں سے آج بھی فیوض وبرکات جاری وساری ہیں۔□□□

☆سجادہ نشین: خانقاہ مداریہ، مکن پور، ضلع کان پور (یوپی)

بقیہ: حضرت قطب المدار کی دینی ودعوتی خدمات

ان کے علاوہ بھی آپ سے بہت سی کرامتوں کا ظہور ہوا ہے۔ آپ نے مکمل پانچ سو چھپن سال سے زائد دین متین کی خدمت انجام دی، اکثر بلاد وامصار، جنگلات وبیابان، پرپیچ گھاٹیاں اور بحر وبر کے پرخطر راستے طے کیے اور سرزمین ہندوستان کے گوشے گوشے، بلاد وقریات، حتی کی سنگلاخ وادیوں اور پہاڑوں کو ذکر الٰہی سے معمور فرمایا اور پہاڑی میں بسنے والی مخلوق بالخصوص اجنّہ میں بھی آپ نے دین اسلام کی تبلیغ فرمائی، ہزاروں مقامات پر بارہ بارہ چودہ چودہ برس تک ریاضت ومجاہدے کے لیے چلّہ کش رہے، آج بھی آپ کی ذات مقدسہ سے منسوب بے شمار ایسے مقامات موجود ہیں جو مدار پہاڑی، مدار ٹیکری، مدار چلہ، مدار دروازہ، مدار کنواں اور مدار گیٹ کے نام سے موسوم ہیں جو آپ کی خدمات دینی کا آج بھی اعلان کر رہے ہیں۔ آپ تاعمر خدمت خلق، تبلیغ دین اور دعوتِ اسلام کی نشر واشاعت میں کوشاں رہے، آپ نے دنیا کے بیشتر ممالک کا سفر کیا، ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں کفر وشرک کی گندگی میں پڑے ہوئے انسانوں نے آپ کے دست حق پرست پر اسلام قبول کیا۔

آپ کا تبلیغی مرکز ومحور اگر چہ ہندوستان تھا، لیکن آپ کے تبلیغی سفرنامے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا تبلیغی دائرہ ہندوپاک ہی تک محدود نہ تھا بلکہ حدود ہند سے تجاوز کر کے بیرون ہند تک پہنچ چکا تھا۔

سوانح نگاروں نے حضرت قطب المدار کے تبلیغی دورے کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ ہندوستان سے آپ نے سات مرتبہ حرمین طیبین کی زیارت فرمائی اور ہر بار الگ الگ راستے سے سفر فرمایا اور ہر مرتبہ کتنے ہی مقامات وممالک ملے، وہاں اسلام کی شمع فروزاں کرتے ہوئے گزرے۔ شام، حجاز، عراق، ایران، افغانستان، المانیہ، روم، یونان، مصر، سوڈان، مراکش اور سری لنکا، سراندیپ انڈونیشیا، ملیشیا وغیرہ کا سفر فرمایا۔ ہر چہار جانب اسلام کا پرچم بلند فرمایا جہاں جہاں ورود مسعود ہوا ہزاروں کی تعداد میں لوگ داخل اسلام ہوئے، آج بھی آپ کے فیضان سے عالم فیض یاب ہو رہا ہے۔

سید نثار حسین☆

حضرت قطب المدار کی دینی ودعوتی خدمات

حضرت قطب المدار سید بدیع الدین احمد مدار کی ذات دنیائے تصوف میں مشہور ومعروف ہے۔محدث ہند، محقق علی الاطلاق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ''اخبار الاخیار'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''شاہ بدیع الدین مدار عجائب احوال وغرائب اطوار از وے نقل می کنند گویند کہ وے در مقام صمدیت کہ از مقامات سالکان است بود''

(اخبار الاخیار)

''لوگ شاہ بدیع الدین مدار کے عجیب وغریب حالات بیان کرتے ہیں۔فرماتے ہیں کہ آپ مقام صمدیت میں تھے جو سالکوں کے مقامات میں سے ہے۔'' (اردو ترجمہ،ص:۲۹۲)

طبقات شاہجہانی میں ہے:

''حضرت بدیع الدین شاہ مدار قدس سرہ سال ہشت صد ہجری آخری سلطنت شاہ گیتی ستاں صاحب قرآں از وفات امیر تیمور گورگاں ہفت سال انتقال نمودہ احوال ومقامات وے عجیب وغریب است عمر طویل یافتہ ،سلسلہ خلافتش بچہار واسطہ بصدیق اکبر رضی اللہ عنہ میر سد وے ایں سلسلہ بجہت وسائط قرب سلاسل در کشف واشراق بر دلہا ادراک معانی بغایت مرتبہ اعلی دارد وہر کہ او رادیدی بے اختیار سجود کردے ،بجہت انوار الٰہی کہ درجبہ وے تاباں بود ہمیشہ برقعہ پوشیدہ وے مگر روز عام کہ نقاب از چہرہ برانداختے آں روز ہر کرا ہر چہ مشکل بودے پیش وے آوردے،وے حل مشکلات خود نمودے،احیائے اموات وعدم اکل وشرب وسپیدی جامہائے بے شست وشوی گاذراز جملہ کرامات وے بود واخلفائے نامدار واصحاب کرام بسیار۔،،

(طبقات شاہجہانی)

آپ کی خلافت کا سلسلہ چار واسطوں سے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے،دوسرے سلسلوں کی بہ نسبت آپ کا سلسلہ قریب تر وسائط کی وجہ سے دلوں پر کشف واشراق اور ادراک معانی وحقیقت کے باب میں نہایت اعلی مقام رکھتا ہے جو کوئی آپ کو دیکھتا ہے،بے اختیار اللہ کی بارگاہ میں سجدہ کرتا،ان انوار الٰہیہ کے سبب جو آپ کی پیشانی میں تاباں تھے،مگر بار عام کے دن نقاب چہرے سے اٹھا دیتے تھے،اس دن جس کسی کو جو بھی مشکل پیش آتی،آپ اس کا حل فرماتے۔مردوں کو زندہ کرنا،کھانے پینے سے بے نیاز رہنا،بغیر دھوبی کے دھوئے کپڑے کا سفید وصاف رہنا،آپ کی جملہ کرامات میں سے ہیں،آپ کے خلفائے نامدار واصحاب کرام کثیر مقدار میں ہوئے۔

حضرت قطب المدار کی پانچ سو چھیانوے سال کی عمر بجائے خود ایک کرامت ہے۔حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت مدار پاک کو مخاطب کرکے ایک خطاب فرمایا ہے،جس سے حضرت قطب المدار کی اصل ونسل اور وطن کا علم بڑے واضح طریقے سے ہوتا ہے،چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

'' **قال الرجل ای خضر یا ولدی ان شیعتک لمحمدیہ وتربتک فاطمیۃ وبذرک علویۃ ومیلادک حلبیۃ سیجعلک اللہ مدار الکرمات ومحار العلامات۔''**

(الکواکب الدراریہ،ص:۳۰/۲۹)

اے صاحبزادے!بلا شبہ تمہاری اصل محمدی ہے،خمیر فاطمی ہے، نسل علوی ہے اور پیدائش حلبی ہے،عن قریب اللہ تعالیٰ تمہیں کرامتوں کا مدار اور علامتوں کا محور بنائے گا۔

حضرت قطب المدار مادرزاد ولی اور سعید ازلی تھے،قبل ولادت، عہد شیر خوارگی اور ایام طفولیت میں بھی ایسے واقعات رونما ہوئے جو کہ نہ صرف دیگر اطفال بلکہ جلیل القدر اولیا اللہ کی طویل فہرست میں آپ کو ممتاز کرتے ہیں،عہد طفولیت میں عام بچوں کی طرح آپ لہو ولعب کا شوق نہیں رکھتے تھے،اتفاقاً کھیل کود کے لیے نکل بھی جاتے تو صدائے غیبی ہوتی ''یا بدیع الدین! ارجع الیّ '' آپ اس آواز کو سن کر واپس ہوجاتے تھے۔

ایک روز محلے کے کچھ بچوں کے ساتھ سیر وتفریح کے ارادے سے ایک باغ کی طرف چلے کہ دفعتاً صدائے غیبی نے آپ کو چونکا دیا، کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا:

"یا بدیع الدین!ام خلقت لهذا و امرت لهذا " یہ سن کر آپ عالم حیرت میں آگئے اور اسی جگہ ساکت وجامد رہ گئے، کچھ دیر کے بعد پکار اٹھے لا والله لا والله اور دوڑے دوڑے اپنی امی جان سیدہ ہاجرہ فاطمہ ثانیہ رضی اللہ عنہا کی آغوش محبت سے لپٹ گئے- جسم اقدس پر حیرانی وپریشانی کے آثار واضح طور پر نمایاں تھے، والدہ محترمہ گھبرائیں اور نور نظر کے حال پریشاں سے اپنے شوہر نامدار حضرت سید علی حلبی کو مطلع کیا- والد گرامی نے لخت جگر کو دیکھ کہا: ''پریشان ہونے کی بات نہیں، میرے فرزند کو اللہ تعالی نے اپنی دوستی کے لیے منتخب فرمایا ہے اور وہ اپنے دوستوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک فرماتا ہے-'' (نجم الھدیٰ)

صرف یہی نہیں کہ آپ خود کھیل کود سے دور رہتے تھے، بلکہ دوسروں کو بھی یہی درس دیتے تھے کہ اپنی حیات مستعار کو کھیل کود میں برباد نہ کرو اور وقت کو رائیگاں نہ کرو-

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ کچھ بچے کھلونوں سے کھیل رہے تھے اور خوش ہو رہے تھے، مگر آپ گوشۂ تنہائی میں کھڑے ہوئے رو رہے تھے ادھر سے ایک شخص کا گزر ہوا، اس نے آپ کو روتے ہوئے دیکھا تو قریب آکر پوچھا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ کیا آپ کے پاس کھلونے نہیں ہیں؟ تو آپ نے جواب دیا: نہ مجھے کھلونوں کی ضرورت ہے اور نہ ہی کھیلنے کا شوق، میرا سینہ تو اس غم سے پھٹا جاتا ہے کہ اللہ نے جس مقصد کے لیے ان بچوں کو پیدا کیا ہے، اس سے غافل ہو کر یہ اپنا وقت کھیل میں صرف کرتے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ حیات دوروزہ کی گھڑیاں یوں ہی تمام ہو جائیں اور سرمایۂ آخرت سے محرومی مقدر بن جائے، وہ شخص بہت متاثر ہوا اور اپنے استفسار پر نادم بھی- (نجم الھدیٰ)

علوم ظاہری سے مستفید و مستفیض ہونے کے بعد حرمین شریفین کی زیارت اور حضرت بایزید بسطامی طیفور شامی رضی اللہ عنہ سے بیعت ظاہری حاصل کرنے کے بعد بحکم سرور عالم ﷺ تبلیغ دین متین کے لیے چل پڑے، راستے میں حضرت شیخ ابو نصر عبد الوہاب سے ملاقات ہوئی، دونوں حضرات ایک قافلے میں شامل ہو کر بصرہ تشریف لائے، یہاں حضرت شیخ غیلان واسطی سے ملاقات ہوئی، کچھ دن وہاں قیام کر کے بغداد پہنچے اور سیدنا عبد القادر المعروف شیخ ضمیری بغدادی نے آپ کی دعوتِ خاص کا اہتمام کیا، جس میں حضرت سیدنا جنید بغدادی، حضرت سیدنا احمد بن مسروق خراسانی اور ان کے رفیق بو علی رودباری جو سلسلہ تمہیدہ شاکرئی سے ہیں، شریک ہوئے- اس موقع پر حضرت احمد بن مسروق نے خوشخبری دی کہ باری تعالی نے آپ کی دعا کی برکت سے ایک پسر عنایت فرمایا ہے، اس کا نام بھی آپ ہی تحریر وتجویز فرمائیں تو بہتر ہے، آپ نے اس کا ''عباس'' نام رکھا-

آپ نے اس پر مسرت موقع پر سیدنا عبد القادر ضمیری اور بو علی رودباری کو بیعت کیا اور خلافت واجازت سے نواز-

اس کے بعد آپ ہندوستان آنے کے لیے ایک جہاز پر سوار ہوئے، اہل جہاز کے روبرو توحید حضرت باری تبارک وتعالی اور فضائل نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان فرمائے، وہ ملعون اس ذکر پاک کو سن کر چڑھ گئے اور آپ کی شان میں گستاخی کرنے لگے کہ اس مسافر کو سب مل کر سمندر میں ڈال دیں، ان لوگوں کا یہ مشورہ کرنا تھا کہ دفعتاً مشیت ایزدی جلال میں آئی اور وہ جہاز طوفان میں پھنس کر تباہ ہونے لگا، جو لوگ اس محبوبِ ذوالجلال اور جگر گوشۂ رسول کو غرق کرنے کے مشورے کر رہے تھے وہ خود سمندر میں ڈوب گئے، کچھ لوگ ایک تختے کے سہارے بہہ نکلے، لیکن ایک ایک کر کے وہ بھی ڈوب گئے-

آپ جس تختے پر سوار تھے بعنایت خداوندی وہ ساحل سے جا لگا آپ نے خشکی پر پہنچ کر سجدۂ شکر ادا کیا، اس وقت آپ کو بھوک کی شدت تھی، آپ نے دعا فرمائی ''الٰہی مرا گرسنگی نہ شود ولباس من کہنہ نہ گردد'' (درالمعارف) ایک آواز آئی ''بدیع الدین!'' آپ نے آواز آنے کی سمت دیکھا تو ایک بزرگ محترم کو کھڑے ہوئے پایا، ان بزرگ نے آپ کو اپنے ہمراہ چلنے کو کہا، آپ ان کے ساتھ روانہ ہو گئے، وہ بزرگ آپ کو ایک وسیع وعریض باغ میں لے گئے، تھوڑی دیر میں ایک عجیب وغریب معاملہ نظر آیا، آپ نے اپنے جدّ امجد حضرت سرور عالم ﷺ کو ایک تخت مرصع پر جلوہ گر پایا- آپ نے بہ تعجیل تمام تحفۂ درود وسلام خدمت سرور کونین ﷺ میں پیش کیا، ارشاد ہوا کہ ''اے لخت جگر! قریب آؤ، آپ قریب پہنچے ایک خوان غذائے ملکوتی سے لبریز غیب سے نمودار ہوا، حضور علیہ السلام نے اپنے دست مبارک سے نو لقمے کھلائے، جس کو کھاتے ہی نو طبقات روشن ہو گئے اور بھوک کی خواہش بالکل ختم ہو گئی، سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے آپ کو وہ لباس اطہر پہنایا جو تمام عمر زیب تن رہا، نہ کبھی میلا ہوا اور نہ ہی پرانا، اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے

چہرۂ اطہر پر اپنا دست نورانی پھیر دیا، دست اقدس کے مس ہوتے ہی آپ کا چہرۂ مبارک تجلیات الٰہی کا آئینہ بن گیا۔

غیر منقسم ہندوستان کے اولیائے کرام کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں پر یہ بات مخفی نہیں کہ ہندوستان کی سرزمین پر باضابطہ تبلیغی دستور ونظام لے کر آنے والے اولیائے کرام میں آپ کی ذات سرفہرست ہے، حضرت قطب المدار کی فیض رسانی عالم اور خدمت دین متین کا اس بات سے اندازہ لگایئے کہ ہندوستان جیسے اوہام پرست ملک میں آپ تیسری صدی ہجری (۲۸۲ھ) میں تشریف لائے، یہ وہ دور تھا جب یہاں مسلمانوں کا نام ونشان نہ تھا، یہاں آنے والے مسلمان تاجر اور فاتح سندھ محمد بن قاسم کی قائم کردہ حکومت زوال پذیر ہو چکی تھی، جنوبی ہند کے ساحلی علاقے میں بغرض تجارت آنے والے مسلمان خال خال نظر آتے تھے۔

ہندوستان کے اس خطے میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی تھی، رشیوں اور منیوں کا بول بالا تھا، شعبدے بازوں کا ڈنکا بج رہا تھا جو جتنا بڑا شعبدہ باز ہوتا، وہ اتنا ہی بڑا دیوتا ہوتا اور رشیوں کی عبادت کا قاعدہ یہ تھا کہ وہ اپنی سانس روک کر بیٹھ جاتے تھے، اس طرح ان کا بہت احترام کیا جاتا تھا، رشی اکثر جنگل میں رہتے تھے۔ حضرت قطب المدار کو اس ماحول میں تبلیغ کا نیا راستہ ملا، آپ نے ''شغل حبس دم'' شروع کیا، آپ لا الہ پر سانس اندر لیتے اور الا اللہ پر سانس باہر نکالتے، یہ نئی چیز دیکھ کر لوگ کثیر تعداد میں جمع ہونے لگے، اس طرح مخلوق کی خدمت اور اسلام کی تبلیغ میں بڑا سہارا ملا، آپ کو ایک ایسے ملک اور ایسی قوم سے سابقہ پڑا تھا جہاں کی زبان، رہن سہن، رسم ورواج اور طور طریقے مختلف تھے، مشرکانہ ماحول اور ظلمات کفر میں آفتاب مداریت طلوع ہوا اور اپنی ضیا پاشیوں سے ہندوستان کی سرزمین کو روشن وتابناک کیا، دوران تبلیغ کفار ومشرکین نے تبلیغ دین میں بہت رکاوٹیں پیدا کیں، آپ کو شدید ترین مشکلات سے گزرنا پڑا، مزاحمتوں کے پہاڑ اشاعت دین میں حائل ہوئے، مخالفت کا طوفان ہر چہار جانب برپا تھا، اس سفر میں آپ تقریباً چھتیس ہزار لوگوں کو داخل اسلام کیا۔ حضرت قطب المدار جب پالن پور تشریف فرما ہوئے تو وہاں کا راجہ بلوان سنگھ موچند اکابر سلطنت آپ کی کاوشوں سے مسلمان ہوا، آپ نے اس کا نام ''پزور آور خاں'' رکھا، پزور آور خاں نے سینکڑوں مسجدیں تعمیر کرائیں، پالن پور سے آپ اجمیر کے لیے روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر کوکلہ پہاڑی پر فروکش ہوئے تو وہاں کے باشندے جو ایک مدت سے پریشان تھے، حاضر ہوئے اور قیام فرمانے سے منع کرنے لگے، آپ نے فرمایا کہ یہ کیا سلوک ہے؟ کیا یہاں مہمانوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک ہوتا ہے، وہ لوگ کہنے لگے کہ مہمان نوازی ہم بھی جانتے ہیں مگر کیا کریں کہ اس سے پہلے بھی آپ ہی جیسے لوگ یہاں آئے تھے جن سے جنگ ہوئی اور وہ مارے گئے، جن کی نعشیں آج بھی ویسی ہی جنگل میں پڑی ہیں، رات ہوتی ہے تو ان سے زبردست چیخیں پیدا ہوتی ہیں، جنھیں سن کر ہمارے بچے ڈرتے ہیں، ہم لوگوں کے دل کانپ جاتے ہیں، یہاں تک کہ کبھی کبھی ہماری حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو جاتے ہیں، اسی لیے ہم لوگ ڈر رہے ہیں کہ پہلے لوگوں کی وجہ سے تو آج تک ہم لوگ پریشان ہیں، اب آپ آئے ہیں تو نہ معلوم کیا ہو؟ حضرت زندہ شاہ مدار نے فرمایا: اگر یہ آوازیں آنی بند ہو جائیں تو جو میں کہوں گا، اس پر عمل کرو گے؟ وہ سب اقرار کر کے چلے گئے، آپ نے اپنے خلفا ومریدین کو جمع کر کے فرمایا: چلو ان بے گور وکفن لاشوں کو دفن کر دیں، جن سے تکبیر کی آوازیں آتی ہیں، آپ نے ان شہیدوں کی لاشوں کو دفن کر دیا اور آوازیں آنی بند ہو گئیں، لوگ آرام سے سوئے اور صبح ان میں سے اکثر لوگ آ کر داخل اسلام ہو گئے۔

علاقۂ میوات میں حضرت قطب المدار کے ہمراہیوں کو لوٹنے کے لیے باون (۵۲) افراد پر مشتمل ڈاکوؤں کا گروہ آیا، جیسے ہی وہ لوگ قریب پہنچے نابینا ہو گئے اور گڑگڑا کر معافی مانگنے لگے، آپ کی دعا کی برکت سے بینائی لوٹ آئی، یہ کرامت دیکھ کر اتنا متاثر ہوئے کہ فوراً مشرف بہ اسلام ہو گئے اور باقی زندگی تبلیغ اسلام میں گزار دی، یہ لوگ آج بھی باون گور کے نام سے مشہور ہیں۔ ان میں سے بعض کو خلافت بھی عطا ہوئی، ان میں ایک ''چوہر سدھ'' بھی تھے آپ نے ان کا نام ''اسلام نبی'' رکھا، جو آگے چل کر بہت بڑے صاحب کشف ہوئے۔

اجمیر میں ہی ایک جوگی ''ادھرناتھ'' جو اپنے وقت کا بہت بڑا جادوگر تھا، یہ آپ کی شہرت سن کر حیران ہو گیا اور ایک تھال جادو کے چنوں سے بھرا ہوا لے کر حاضر ہوا، یہ دیکھنے میں چنے تھے مگر ان کی اصل لوہے کے ٹکڑوں کی تھی، یہ تھال ''ادھرناتھ'' نے حضرت قطب المدار کے سامنے پیش کیا، آپ نے فرمایا میں روزے سے ہوں، مریدین میں

تقسیم کر دیجیے اور ایک چنا تھال سے اٹھا کر وہیں بو دیا، چنا فوراً پھوٹ آیا اور وہ چنے مریدین کھانے لگے، ادھر ناتھ یہ سب دیکھ کر مسلمان ہو گیا اور اس روز سے یہ مثال قائم ہو گئی، ''فقیری کیا لوہے کے چنے چبانا ہے۔''

حضرت قطب المدار تبلیغ واشاعت اسلام فرماتے ہوئے جب نیشاپور میں رونق افروز ہوئے تو دیکھا کہ نیشاپور میں کفار نے پتھر کی عورت بنائی ہے، جسے کپڑوں سے خوب سجایا ہے اور اس کی پوجا میں مصروف ہیں، آپ نے یہ ماجرا دیکھا اور عبداللہ مصری کو اشارہ فرمایا کہ اس بت کو کانٹا چبھو دو! حضرت عبداللہ مصری نے ایسا ہی کیا اور جیسے ہی وہاں سے ہٹے تو اس بت سے ایک چیخ نکلی اور وہ مورتی زمین میں دھنس گئی، پھر کیا تھا کفار نے شور وغل شروع کر دیا، حضرت عبداللہ مصری کو پکڑنے کے لیے ایک ہجوم دوڑ پڑا، ان لوگوں نے حضرت قطب المدار سے کہا کہ اس شخص کو ہمیں دے دو! اس نے ہمارے معبود کو جادو سے غائب کر دیا ہے، ہم اس سے اس کا بدلہ لیں گے، آپ نے فرمایا:

''مجھے افسوس ہے کہ جو پتھر اپنی اتنی بھی حفاظت نہیں کر سکتا، آپ اس کی پرستش کرتے ہیں؟'' وہ لوگ اور زیادہ ناراض ہوئے، آپ نے اپنے چہرے سے نقاب اٹھاتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''میرا معبود خالق ہے، مخلوق نہیں، میں اس خدا کا عاجز بندہ ہوں جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں سب اسی کا ظہور ہے۔'' کفار تاب نہ لا سکے اور بے ہوش ہو گئے، آپ نے خدام سے تکبیر کہلائی، وہ لوگ ہوش میں آئے اور صدق دل سے اسلام میں داخل ہو گئے، کچھ عرصے قیام کرنے کے بعد قطب المدار عازم سفر ہوئے، دریں اثنا ایک بزرگ سے آپ کی ملاقات ہوئی جو ترک دنیا کر کے جنگل میں پناہ گزیں ہو گئے تھے، ہم کلامی ہوئی تو انہوں نے اپنا نام صفوان بن قیس بتایا، دوران گفتگو جب انہیں معلوم ہوا کہ آپ جگر گوشۂ رسول، نور دیدۂ بتول اور علی کے نونہال ہیں تو انھوں نے فرط مسرت سے آپ کو سینے سے لگا لیا، پھر ہندوستان کے حالات پر گفتگو فرمانے کے بعد رخصت ہوئے۔

صاحب نجم الہدیٰ حضرت نظام الدین حسن تحریر فرماتے ہیں کہ آپ جب بغرض تبلیغ استنبول ترکی پہنچے تو ایک یہودی آیا اور دین موسوی کی تعریف اور اسلام میں خامیاں نکالنے لگا (معاذ اللہ) آپ اس کے ہر سوال کا معقول جواب دیتے تھے، دوران گفتگو کہنے لگا کہ ہمارے پیغمبر حضرت داؤد علیہ السلام جب زبور کی تلاوت فرماتے تھے تو سارا عالم محو ہو جاتا تھا، یہاں تک کہ جنگلی جانور، پرندے، آب وہوا سب ''زبور مقدس'' سن کر مدہوش ہو جاتے تھے اور تمہارا دعویٰ ہے کہ وہ قرآن جو تمہارے نبی پر نازل ہوا ہے، وہ سارے صحائف وکتب آسمانی سے افضل واعلیٰ اور ان کا ناسخ ہے اور میں نے بارہا دہ کلام سنا ہے مگر ایسی بات اس قرآن میں کبھی نہیں پائی، آپ نے فرمایا: ''حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ معجزہ مجھے تسلیم ہے اور بے شک یہی بات ہے جو تو نے کہی اور بلاشک وریب ''قرآن کریم'' سب سے افضل واعلیٰ ہے، خدائے وحدہ لاشریک کا کلام ہے۔''

یہودی نے ایک سوکھے ہوئے درخت کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ: اگر تمہارا قرآن یہ سوکھا درخت پڑھ کر سنائے اور تمہارے دین کی سچائی کی شہادت دے تو میں تمہارے دین میں داخل ہو جاؤں گا اور تمہارے نبی کا کلمہ پڑھ لوں گا۔

حضرت قطب المدار نے اس درخت کے قریب جا کر دو رکعت نماز ادا کی اور بوسیلۂ پنجتن پاک رب تعالیٰ سے التجا کی:

''الہ العالمین! باطل کے سامنے اس بندۂ عاجز کو سرخرو فرما''

آپ نے سورۂ اخلاص کی تلاوت با آواز بلند فرمائی، خدا کی شان وقدرت دیکھیے سوکھے درخت سے بھی تلاوت قرآن کی آواز صاف صاف سنائی دینے لگی، آپ نے پوری سورت کی تلاوت کی اور کلمۂ شہادت بلند آواز سے پڑھا، درخت کی سوکھی شاخوں سے کلمہ شہادت پڑھنے کی آواز آئی، یہودی یہ سب دیکھ کر حیران رہ گیا اور اس نے پڑھ لیا، لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

جب حضرت قطب المدار کابل پہنچے تو حضرت کی شہرت گھر گھر میں ہو گئی اور آپ کی آمد کی خبر دور دراز علاقوں میں پھیل گئی، ایک شخص آپ کی آمد کی خبر سن کر اپنی نابینا لڑکی کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور التجا پیش کی، حضرت میری تمام اولاد میں صرف یہی لڑکی بچی ہے، وہ بھی کم نصیبی سے اندھی ہے، میں اس وجہ سے رنجیدہ رہتا ہوں کہ میری موت نہ جانے کب آ جائے اور یہ بے سہارا ہو جائے، یہ کہہ کر وہ اشکبار ہو گیا، یہ درد بھری داستان سن کر آپ نے دعا فرمائی، قبولیت نے استقبال کیا، دیکھتے ہی دیکھتے لڑکی کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔

بقیہ صفحہ 54 پر ملاحظہ کریں

پیمائش

مندرجہ ذیل کتابیں دفتر جام نور کو موصول ہوئیں- تبصرے کے لیے دو کتابیں ارسال کریں- (ادارہ)

نام مجلہ: سہ ماہی ''اصنام شکن'' وشاکھا پٹنم کا ''حضرت علامہ ارشد القادری نمبر''

مدیر: عثمان انجم

ناشر: وشاکھا پٹنم (آندھرا پردیش)

صفحات: ۲۰۰

قیمت: ۱۵۰/روپے

سنہ طباعت: ۱۴۳۴ھ/۲۰۱۳ء

تبصرہ: ابوحنان فیضی ☆

ماضی قریب میں جن مذہبی شخصیتوں نے مذہبی، دینی، تعمیری اور علمی میدانوں میں کارہائے نمایاں انجام دیا، ان میں رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری کی شخصیت سب سے ممتاز اور نمایاں رہی ہے- حضرت علامہ کی سب سے اہم خوبی یہ تھی کہ انھوں نے مسلک و مذہب کی اشاعت اور دعوت و تبلیغ کے لیے ہر میدان میں بازو آزمائے اور اپنے فکر وفن کا لوہا منوایا- دہائیوں کی تلاش میں ایسی مذہبی شخصیت نظر نہیں آتی، جس کی پوری زندگی صرف اور صرف دین ومسلک کے لیے وقف تھی، ان کی دینی سرگرمیوں میں نہ معاش سد راہ بنا اور نہ بال بچے اور نہ ہی عزیز واقارب- ان کا ہر اٹھنے والا قدم دین ومسلک کے استحکام کے لیے اٹھتا اور اسی پر ختم ہوجاتا-

سہ ماہی ''اصنام شکن'' وشاکھا پٹنم کا زیر نظر شمارہ ''حضرت علامہ ارشد القادری نمبر'' ہے، جو جنوری تا مارچ ۲۰۱۳ء کا خصوصی شمارہ ہے- یہ شمارہ حضرت علامہ قادری کی حیات اور خدمات پر روشنی ڈالتا ہے، جس کو مدیر رسالہ محترم عثمان انجم نے ''اصنام شکن'' کے ۱۰۰ویں شمارے کی تکمیل پر شائع کیا ہے اور اس خصوصی شمارے کے ذریعے حضرت علامہ کی پچاس سالہ دینی، علمی اور مسلکی خدمات کو خراج پیش کیا ہے-

اس خصوصی شمارے کے ذریعے عثمان انجم صاحب نے معلوماتی مقالات اور گراں قدر منظومات پیش کر کے حضرت علامہ علیہ الرحمہ کی زندگی کے مختلف گوشوں اور اہم کارناموں کو اجاگر کرنے کی اچھی کوشش کی ہے، جس کے لیے پوری دنیائے سنیت کی طرف سے وہ شکریے کے مستحق اور قابل مبارک باد ہیں- قابل مبارک باد اس لیے ہیں کہ پچھلی کئی دہائیوں سے اہل سنت وجماعت میں ''اسلاف فراموشی'' کے جراثیم سرایت کر گئے ہیں- یہاں شخصیت کو عموماً خدمات کی بنیاد پر یاد نہیں کیا جاتا، بلکہ مشربی، درس گاہی یا خاندانی تعلق کی بنیاد پر یاد رکھنے کا چلن ہے- مشاہیر میں سے اگر کسی کے پاس مریدین یا قابل تلامذہ کا جتھا نہیں یا پھر اس کی اولاد اہل نہیں تو اس کی بے شمار خدمات کے باوجود اسے فراموش کر دیا گیا- ایسے ماحول میں محترم عثمان انجم کا علامہ سے مذکورہ تینوں حیثیتوں سے تعلق نہ رکھنے کے باوجود اپنے رسالے کے ذریعے ان کو یاد رکھنا اور خراج پیش کرنا یقیناً قابل ستائش ہے-

یہ شمارہ کل ۲۰۰ رصفحات پر محیط ہے، جس میں مختلف ارباب علم ودانش کے تقریباً ۲۴ رقیمتی مقالات اور متعدد اصحاب شعروسخن کے منظوم شہ پارے شامل ہیں، جو یقینی طور پر حضرت علامہ کے ملکی اور بین الاقوامی کارناموں اور خدمات پر روشنی ڈالتے ہیں، نیز ان کی حیات کے تاریخی گوشوں کو واضح کرتے ہیں- اس کے علاوہ، ان میں حضرت علامہ کے کچھ اہم واقعات بھی ہیں، جو نو آموز اہل قلم اور مبلغین کے لیے راہ نما ہیں، ان واقعات کے مطالعے سے دعوت وتبلیغ کا شوق فزوں تر ہوتا ہے اور نئی جہتوں کا پتا بھی چلتا ہے-

شائقین علم وقلم کے ذوق خاطر کے لیے یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

''صاحب طرز ادیب ہونے کے لیے تین چیزوں کا بدرجۂ اتم پایا جانا لازمی ہے: اول زبان پر ماہرانہ دسترس، دوم وسعت مطالعہ، سوم اپنے اغراض ومقاصد سے والہانہ عشق ومحبت-'' (ص:۱۷)

اسی طرح سے قارئین کو اس نمبر کے مطالعے سے دینی ودعوتی تحریک ''دعوت اسلامی'' کے تعلق سے بھی حضرت علامہ کی مساعی اور اس کے قیام وبنا میں ان کے کلیدی کردار کا بھی پتا چلتا ہے، جو ''دعوت

اسلامی'' کے مخالفین کے لیے تازیانۂ عبرت اور حامیوں کے لیے درس ہدایت کا سامان ہے-

موجودہ صدی علم اور تحقیق کی صدی کہلاتی ہے، علمی وفکری دنیا کافی باشعور ہوچکی ہے، جس میں علمی وتحقیقی دیانت کی کافی اہمیت ہے- نیز قارئین کو ایک ہی چیز بار بار پڑھوانا دراصل وقت اور پیسوں دونوں کا ضیاع بھی سمجھا جاتا ہے، جس کا خیال رکھنا بے حد ضروری ہے-

اس جہت سے اس نمبر کے مطالعے سے تھوڑی مایوسی بھی ہوئی، کیوں کہ اس نمبر کی تیاری میں محنت کی کمی اور اہل قلم سے رابطے کا فقدان نمایاں ہے- اس میں بیشتر مقالات ماہنامہ جام نور کے مختلف شمارے اور اس کے اہم خصوصی شمارہ ''رئیس القلم نمبر'' سے لیے گئے ہیں- علاوہ ازیں ایک مقالہ حضرت علامہ کے شعری مجموعہ ''اظہار عقیدت'' سے بھی ماخوذ ہے- پھر یہ کہ اس میں صرف مقالہ نگاروں کے ناموں کا ذکر ہے، لیکن وہ مقالات کہاں سے لیے گئے ہیں، اس کا کہیں بھی تذکرہ نہیں ہے- یہ عمل علمی وتحقیقی دنیا میں ناروا سمجھا جاتا ہے-

افادۂ عامہ کی خاطر جو مضامین ومقالے جہاں سے لیے گئے تھے ان کی صراحت کے ساتھ، بعینہٖ اسے شائع کرنا چاہیے تھا- اس نمبر میں ایسا بھی نہیں کیا گیا، بلکہ ماخوذ مقالات ومضامین کو اپنے منہاج ومزاج کے مطابق تراش خراش کر کے شائع کیا گیا ہے، یہ عمل بھی دیانت سے ماورا ہے، کیوں کہ اس کی اجازت مذکورہ مضامین کے لکھنے والوں سے عموماً نہیں لی گئی ہے-

اسی طرح ''علامہ ارشد القادری ایک نظر میں'' کے عنوان کے تحت ''تلامذہ'' کے ذیل میں صرف حضرت علامہ کے ایک تلمیذ فقیہ ملت مفتی جلال الدین احمد امجدی کا نام لکھا گیا ہے، جب کہ ''تلامذہ'' جمع ہے جو ایک سے زیادہ کا تقاضا کرتا ہے-- بہتر ہوتا کہ یہاں تلامذہ کی قیاسی تعداد لکھ دی جاتی یا نام کا ذکر کرنا ہی مقصود تھا تو کچھ مشہور تلامذہ کا اور ذکر کر دیا جاتا- ان سب کے باوجود مدیر محترم کی کوشش لائق ستائش ہے- پروف ریڈنگ کے علاوہ شمارے کا سرورق اور کاغذ وطباعت بھی لائق تعریف ہے- یہ نمبر یقینی طور پر حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کی ہمہ جہات شخصیت سے متعارف کراتا ہے-

□□□

email:lasaani76@gmail.com

کتاب: اعلیٰ حضرت ایک عالمگیر شخصیت
مؤلف: مولانا کلیم رضا نوری
صفحات: ۵۱۶
سنہ اشاعت: ۲۰۱۲ء
قیمت: ۳۰۰
ناشر: امام احمد رضا مومنٹ، بنگلور (کرناٹک)
تبصرہ: ابرار احمد مصباحی☆

تأثر نویسی ایک دل چسپ موضوع ہے، جس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، لیکن دیگر موضوعات کی طرح اس کے بھی اپنے کچھ اصول اور تقاضے ہیں، جن کی روشنی میں تأثر نگاری کا فریضہ انجام دیا جاتا ہے، تأثر نویسی نہ تو حقیقت سے چشم پوشی کر کے ہو، نہ جذباتیت سے زیادہ متاثر ہوکر، بلکہ اس میں دیانت داری اور اصول پسندی ناگزیر ہے، کیوں کہ یہی چیز بعد میں شخصیت کو جاننے کا ایک اہم ذریعہ، تاریخ کا قابل قدر حصہ اور نسل نو کے لیے سرمایہ ثابت ہوتی ہے، نیز اس کے ضمن میں بہت سارے تاریخی حقائق اور اہم واقعات بھی سامنے آتے ہیں، لہٰذا اس میں ذرا سی بھی تساہلی یا کمی سے شخصیت تاریخی حیثیت سے بے وقعت ہوجاتی ہے-

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا فاضل بریلوی علمی دنیا کا ایک ممتاز نام ہے، جنھوں نے اپنی علمی وتحقیقی بصیرتوں اور قلمی وتحریری صلاحیتوں سے اپنوں اور بے گانوں سب کو متاثر کیا، چنانچہ آپ اپنی انھی بے مثال خدمات کی بدولت کافی سراہے گئے اور تحسینی کلمات سے نوازے گئے، ملک وبیرون ملک مختلف اداروں اور دانش کدوں میں آپ پر تحقیقات ہوئیں اور فکر وفن کے نئے گوشے سامنے آئے- یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے-

زیر نظر کتاب ''اعلیٰ حضرت ایک عالمگیر شخصیت'' اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی علمی خدمات اور عبقریت کے اعترافات پر مشتمل ان گراں قدر تأثرات کا مجموعہ ہے، جسے متعدد کتابوں، تقریظوں، مضامین رسائل اور تبصروں سے یکجا کیا گیا ہے- اس مجموعے میں حرمین شریفین سمیت کئی ممالک کے علما وفضلا، شعرا، دانشوروں اور محققوں کے قیمتی تأثرات واعترافات شامل ہیں، جن کو مؤلف کتاب نے محنت سے یکجا کر کے ایک بہترین گلدستے کی شکل میں تیار کر دیا ہے، جس سے محققین رضویات کو یقیناً سہولت فراہم ہوگی-

مذکورہ کتاب کل ۵۱۶؍صفحات پر مشتمل ہے، جس میں ۱۳؍ابواب قائم کیے ہیں- پہلے باب میں اعلیٰ حضرت کا شخصیتی جائزہ، دوسرے باب میں علمائے حرمین شریفین، تیسرے باب میں علمائے پاکستان، چوتھے باب میں مختلف مقامات وممالک کے علما، پانچویں باب میں علمائے ہندوستان، چھٹے باب میں مشاہیر محققین، ساتویں باب میں مخالفین علما، آٹھویں باب میں معروف شعرا، نویں باب میں معروف صحافیوں، دسویں باب میں چند مورخین، گیارہویں باب میں غیر مسلم دانشوروں، بارہویں باب میں اساتذۂ جامعات ومدارس کے گراں قدر تاثرات اور تیرہویں باب میں اعلیٰ حضرت کے القاب وآداب کا تذکرہ ہے- کتاب میں اصل موضوع کا آغاز صفحہ ۱۱۳ کے بعد سے ہوتا ہے، اس سے پہلے تقریباً ۱۱۳؍صفحات مختلف نگارشات وتحریرات سے مزین ہیں، جن میں مجموعی طور پر اعلیٰ حضرت کی شخصیت وعظمت کا اظہار اور ان کی شان میں اپنی عقیدت ومحبت کا خراج پیش ہوتا ہے- آخر میں اعلیٰ حضرت کی مجددیت پر تصدیق وتائید کرنے والے عرب وہند کے علما کا بھی ذکر ہے-

قابل ذکر بات یہ ہے کہ تأثر نویسوں میں تیرہویں صدی ہجری سے لے کر موجودہ پندرہویں صدی ہجری تک کے اکابر واصاغر علما و مشائخ اور دانشوران ومحققین کے اسما شامل ہیں- لیکن ان کی ترتیب اور ابواب بندی نیز مواد ومعلومات کو پیش کرنے میں مؤلف سے کئی اہم خامیاں بھی ہوئیں ہیں، جن میں سے چند کی طرف نشاندہی کی جاتی ہے-

(۱) سب سے پہلے یہ کہ کچھ محققین ومفکرین کو شعرا کے خانے میں ڈال دیا گیا ہے تو کچھ علما ومشائخ کو صحافیوں کے خانے میں- مثلاً ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی کو شعرا میں- ڈاکٹر صاحب بنیادی طور پر شاعر نہیں ہیں، نہ ان کی اس حیثیت سے شناخت ہے، بلکہ کبھی کبھی اپنے جذبات وکیفیات کو منظوم کر لیتے ہیں- اسی طرح مولانا یٰسین اختر مصباحی اور مولانا عبدالمبین نعمانی کو اہل قلم صحافیوں میں شمار کرایا ہے، جن کا میدان اختصاص صحافت نہیں ہے، اگرچہ دین ومسلک کی اشاعت کے لیے کچھ دنوں تک انھوں نے رسائل کی ادارت بھی کی-

(۲) اسی طرح مفتی انتظام اللہ شہابی کو علمائے دیوبند وشیعہ کے باب میں ڈال دیا گیا ہے جو سنی صحیح العقیدہ مسلمان اور دبستان ''خیر آباد'' کے اہم رکن تھے- استاذ مطلق علامہ فضل حق خیر آبادی کے علوم و معارف کے تعلق سے مفتی صاحب کی تحقیقات کو اولیت حاصل ہے-

(۳) نقل حوالجات میں انتہائی تساہلی برتی گئی ہے، جو ایک غیر ذمہ دارانہ فعل ہے، کہیں صرف کتابوں کے حوالے ہیں، لیکن صفحات ندارد، صفحات کا ذکر ہے تو سنہ اشاعت اور مطبع ندارد- اسی طرح رسائل کا حوالہ ہے تو صفحات، شمارے اور ماہ وسال کی تاریخیں بھی غائب ہیں- کہیں ''بتوسط فلاں'' یا ''بمعرفت فلاں'' کے ذریعے بھی حوالے دیے گئے ہیں- ایسے طریقے علمی دنیا میں کتاب اور اس کے مؤلف کی ثقاہت کو مجروح کرتے ہیں-

(۴) کچھ واقعات اور تأثرات تو ایسے ہیں جو نامناسب ہیں، ان سے اعلیٰ حضرت کی عالمگیر شخصیت کا پتا نہیں چلتا ہے- کچھ تأثرات ایسے ہیں، جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ تاریخ کے طالب علموں اور اہل علم کے نزدیک مضحکہ خیز ہیں، مثلاً:

سیف اللہ المسلول علامہ شاہ فضل رسول بدایونی قدس سرہ کی جانب سے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی شان میں جس تأثر کو پیش کیا گیا ہے، وہ مفروضہ ہے- حوالے میں ماہنامہ ''القمر'' کو دیا گیا ہے، مگر یہ القمر کا کون سا شمارہ ہے اور کس سنہ کا، اس کا کوئی ذکر نہیں- دلچسپ بات یہ ہے کہ ماہنامہ ''القمر'' بھی مذکورہ (مفروضہ) تأثر کا اصل ماخذ نہیں ہے، بلکہ اسے بحوالہ ماہنامہ ''الرضا'' بریلی پیش کیا گیا ہے، لیکن اس کے بھی شمارے اور سنہ اشاعت کا ذکر نہیں کیا گیا ہے- ظاہر ہے، ماہنامہ ''الرضا'' بریلی کی ولادت سے تقریباً پچاس سال قبل حضرت سیف اللہ المسلول کا وصال ہو چکا تھا، اس لیے یہ بھی مذکورہ تأثر کا اصل ماخذ نہیں ہوگا- حضرت سیف اللہ المسلول کی کسی کتاب اور مضمون یا مکتوب میں بھی یہ نہیں ہے اور نہ ہی کسی محقق کے ذریعے آج تک اس کو پیش کیا گیا-

(۵) اسی طرح کتاب میں درج کچھ تاثرات تو میرے خیال میں ایسے ہیں جو خانقاہوں اور مشائخ کے درمیان اختلاف وانتشار کا باعث ہیں- مثلاً ''ہم تو سنی صرف انہیں کو مانتے ہیں جن کا تعلق بریلی سے ہو'' اور ''سنی تو وہی ہے جس کا تعلق اعلیٰ حضرت سے ہو'' وغیرہ-

مؤلف کو اس قسم کے تاثرات کو نقل کرنے سے احتیاط کرنا چاہیے تھا، کیوں کہ ہر خانقاہ کا اپنا سلسلہ اور خصوصیات ہیں- مؤلف تحریری دنیا میں تازہ وارد ہیں، اچھا ہوتا اگر وہ اس کتاب کو اشاعت سے قبل کسی تجربہ کار صاحب علم وقلم کے روبرو پیش کر دیتے- □□□

email:marmisbahi @gmail.com

بزم نعت وادب کے زیر اہتمام پھپھوند میں نعتیہ مشاعرہ

گزشتہ شب سبزی منڈی پھپھوند شریف ضلع اوریا میں بزم نعت وادب کے زیر اہتمام غیر طرحی نعتیہ مشاعرے کا انعقاد ہوا، جس کی سر پرستی حضرت مولانا سید انور چشتی ناظم اعلیٰ جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف اور صدارت حضرت مولانا سید مظہر چشتی آستانہ عالیہ صمدیہ پھپھوند شریف نے فرمائی، جب کہ نظامت کے فرائض حافظ شاہد فرخ آبادی نے انجام دیے-شاعر آستانہ سید محمد منظر چشتی کی قیادت میں منعقد اس مشاعرے میں مقامی شعرا کے علاوہ درجن بھر سے زائد بیرونی شعرا نے شرکت کی-مشاعرے کا آغاز قاری یونس قادری گونڈوی کی تلاوت سے ہوا-مشاعرے کے ابتدائی مرحلے میں شاعر آستانہ سید محمد منظر میاں کے مکتب شعروادب میں مشق سخن کرنے والے چند طلبہ نے نعتیہ اشعار پیش کیے، جنھیں سامعین نے خوب داد وتحسین سے نوازا- اس غیر طرحی مشاعرے میں صدر مشاعرہ حضرت مولانا سید مظہر میاں کا ایک خصوصی خطاب بھی ہوا-انہوں نے ''اختیارات مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم'' کے عنوان پر خطاب کیا-

نعتیہ مشاعرے میں سید محمد منظر پھپھوندوی، قاری قاسم حبیبی کان پوری، سمیع فراز کان پوری، کلیم دانش، کمال نفیسی، مفتاح ڈیرہ پوری، مہتاب بھدوہی، رونق اٹاوی، یوسف رضا کانپوری، ڈاکٹر اقبال علی گڑھی، شاہد فرخ آبادی وغیرہ شعرانے اپنا کلام پیش کیا-

رپورٹ: ——— خانقاہ عالیہ صمدیہ، پھپھوند، ضلع اوریا (یوپی)

نورانی محفل ''فیس بک'' پر

''نورانی محفل'' مولانا محمود احمد نوری، دارالعلوم دیوان شاہ، بھیونڈی کا تیار کردہ ایک صوفیانہ آن لائن 'فیس بک صفحہ' ہے-اس صفحے میں نوع بنوع کالمز کے تحت متعدد معلومات دی گئی ہیں-اس پیج کا خاص مقصد مسلمانوں کے دینی، اخلاقی اور معاشرتی احوال کی اسلامی طرز پر اصلاح کرنا ہے اور اس مادہ پرست دنیا سے ان کو نکال کر اسلام کے روحانی وعرفانی ماحول ومزاج سے آشنا کرانا ہے-فی الحال یہ چند مختلف دینی کالمز بنام 'فرمان نبی'، 'انوکھی حقیقت'، 'فکر وعمل'، 'اقوال زریں'، 'کیا آپ کو معلوم ہے؟'، 'انمول موتی'، 'حکایت' آپ کے لیے پیش ہے-انہیں اس ایڈریس پر پہنچ کر پڑھیے:

www.facebook.com/nooranimahefil

ہماری کوشش رہے گی کہ ہم آپ کو ''تصوف'' سے جوڑے رکھیں-اس کے لیے ہم مختلف قسم کے طریقہ کار اپنائیں گے-

رپورٹ: شہباز عالم مصباحی، اسلام پور، اتر دیناج پور (مغربی بنگال)

ایک ضروری وضاحت

دارالعلوم علیمیہ، جمدا شاہی، ضلع بستی سے شائع ہونے والے کئی ماہناموں میں بحیثیت ایڈیٹر میرا نام (فروغ احمد اعظمی مصباحی) چھپتا آ رہا ہے، جس کی وجہ سے بہت سے قارئین الجھنوں کا شکار ہوکر فون کرتے رہتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ میں اپنی مصروفیتوں اور مجبوریوں کی وجہ سے کئی سالوں سے کسی بھی ماہنامے کی ادارتی ذمہ داری سے بے تعلق ہوں-

فروغ احمد اعظمی مصباحی

صدر المدرسین: دارالعلوم علیمیہ، جمدا شاہی، بستی (یوپی)

ماہنامہ جام نور پڑھنے کے لیے کلک کریں
www.nafseislam.com www.khushtarnoorani.in
www.facebook.com/monthly Jaam e Noor

علما، مفتیان کرام، ثنا خوان رسول ﷺ اور طلبۂ مدارس کے لیے

سن شائن مارکیٹ پلس لمیٹڈ

کی ایک انوکھی پیش کش

۶/ماہ تک ہر مہینے ۲۱/۲۱/علما کے لیے فی کس ۴/۴/لاکھ روپے کا

مفت لائف انشورنس

آج جس طرح ہمارے ہندوستانی علمائے کرام حادثاتی طور پر موت کی آغوش میں چلے جا رہے ہیں، وہ ہم سبھوں کے لیے لمحۂ فکریہ ہے- نہایت افسوس کی بات ہے کہ جن علما نے پوری زندگی خدمت دین میں وقف کردی، ان کی حادثاتی موت پر ہم تعزیتی جلسے کرکے یا دو چار مضامین شائع کرکے خوش ہوجاتے ہیں، جب کہ ان کی موت کے بعد ان کے بیوی بچے کس حال میں زندگی گزار رہے ہیں، ہمیں اس بات سے کوئی سروکار نہیں ہوتا- بے بسی اور بے حسی کے اسی ماحول کو ختم کرکے علما کی عائلی زندگی کو محفوظ کرنے کے لیے سن شائن مارکیٹ پلس لمیٹڈ نے ۶/ماہ تک ہر مہینے ۲۱/۲۱/علما کو فی کس ۴/۴/لاکھ روپے کا ''مفت لائف انشورنس'' دینے کا فیصلہ کیا ہے-

نوٹ: اس سکیم سے فائدہ اٹھانے کے لیے ہمارے علما کو کوئی رقم جمع نہیں کرنی ہوگی- بس وہ نیچے دیے گئے حصے میں اپنی تفصیلات پُر کریں اور اسے کاٹ کر مندرجہ ذیل پتے پر ارسال کردیں- فارم کی زیراکس کاپی قبول نہیں کی جائے گی- واضح رہے کہ درخواست دہندہ کی تعداد زیادہ ہونے کی صورت میں قرعہ اندازی کے ذریعے ہر ماہ ۲۱/افراد کی تعیین کی جائے گی اور ان کا ۴/۴/لاکھ روپے کا مفت لائف انشورنس کیا جائے گا- نام کا انتخاب ہوجانے کے بعد کمپنی مطلوبہ ڈاکیومنٹس آپ سے طلب کرے گی- (بقیہ تفصیل ٹائٹل کے پشت پر ملاحظہ کریں)

۶/ماہ تک کمپنی کے اس انوکھے اور مفت آفر کا فائدہ اٹھایئے اور اپنا معاشی مستقبل محفوظ کریئے

Sun Shine Market Plus Ltd.

Plot No.1,Forest Park,Bhubneshwar-751009(Orissa)

Name:....................	نام:....................
Date of Birth....................	تاریخ ولادت:....................
Address....................	گھر کا پتہ....................
....	
Present Address	موجودہ پتہ:....................
....	
Phone/Mobile No	فون/موبائل نمبر....................

سن شائن مارکیٹ پلس لمیٹڈ

معاشی خوشحالی کی طرف ایک کامیاب سفر کا آغاز

سن شائن مارکیٹ پلس لمیٹڈ ایک ایسی کمپنی ہے جو ترقی کی طرف رواں دواں ہے-کون جانتا تھا کہ محدود اسباب و وسائل کے ساتھ چند سال پہلے چند افراد کے ذریعے شروع کی جانے والی معاشی ترقی کی یہ تحریک ایک دن مختلف شعبوں پر مشتمل ایک ' گروپ آف کمپنی' کی شکل اختیار کر لے گی- بلاشبہ یہ رب قدیر کا احسان عظیم ہے کہ اس نے ہم سبھوں کی مسلسل محنت، لگاتار جدو جہد اور کامل حکمت عملی کو کامیابیوں سے ہم کنار کیا اور آج بحمدہ تعالیٰ ''سن شائن'' دنیائے تجارت کے ایک قابل اعتماد ادارے کا جانا پہچانا نام ہے-

واضح رہے کہ اپنے صارفین کے اعتماد کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے ہم نے کامل ترین حکمت عملی کے تحت ایک نفع بخش تجارت کا آغاز کیا ہے اور تجارت کی انہی شعبوں میں اپنی پونجی لگائی ہے جو فوری طور پر نفع بخش بھی ہیں اور لائق اعتماد بھی-

اپنے صارفین کو سبز باغ دکھانا، ان کے اعتماد کا ناجائز فائدہ اٹھانا، ہمارا شیوہ نہیں ہے، کیونکہ ہم خوابوں کے سوداگر نہیں، بلکہ حقیقت کے ترجمان ہیں- صارفین ہی کی جمع کردہ پونجی کو دوسرے صارفین کو لوٹا دینا دنیائے تجارت کا فراڈ تو ہو سکتا ہے، مگر اسے کامیاب تجارت کا نام نہیں دیا جاسکتا، اس لیے ہم اپنے صارفین سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ ہماری کمپنی جملہ شعبہائے تجارت کا غائرانہ مطالعہ کر لیں اور ہمارے طریقۂ کار پر عمیق نظر ڈالیں- اس کے بعد ہی اپنی محنت کی کمائی ہوئی پونجی کو صرف کریں- دیانت واعتماد کی یہ تجویز اگر آپ کو پسند نہیں اور خوابوں ہی کی دنیا میں رہنے کے آپ عادی ہیں تو ہندوستان کی بہت ساری کمپنیاں آپ کی خدمت کے لیے تیار ہیں، مگر ہمیں آپ معذور رکھیں-

کمپنی کا ٹارگیٹ اور ہدف: کہا گیا ہے کہ خدا تک پہنچنے کا قریب ترین راستہ کعبۃ اللہ کے چھاؤں سے ہو کر نہیں بلکہ ایک غریب کی جھونپڑی سے ہو کر گزرتا ہے- جس کا مفہوم یہ ہے کہ فرائض وواجبات کی ادائیگی کے بعد مقبول ترین عمل بارگاہ خداوندی میں یہ ہے کہ آپ کسی غریب کی ضرورت کو پوری کر دیں- اس کی پریشانیوں کو دور کرنے کے اسباب فراہم کر دیں- غریبوں کی پریشانیوں کو دور کرنے کی متعدد ممکنہ صورتیں ہیں- ایک صورت تو یہ ہے کہ آپ کچھ پیسوں سے اس کی فوری طور پر مدد کر دیں، جسے صدقات وخیرات کہا جاتا ہے، جب کہ اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ اسی غریب کو آپ کسی ایسی تجارت سے وابستہ کر دیں، جس میں اسے بغیر کوئی پونجی لگائے محض اس کی محنت کی بنیاد پر مستقل طور پر منافع حاصل ہوتا رہے اور اس کی غربت ہمیشہ کے لیے دور ہو جائے- پہلی صورت بھی اعمال خیر کے تحت آتی ہے، مگر اسی غریب انسان کو چند پیسوں کے حصول کے لیے کس طرح اپنی خودداری کا سودا کرنا پڑتا ہے، یہ کسی سے پوشیدہ نہیں، جبکہ دوسری شکل کسی بھی غریب کے لیے نفع بخش بھی ہے اور باعث صد افتخار بھی- سن شائن ایسے ہی ضرورت مند افراد ملت کے لیے امید کی ایک کرن اور ان کے کامیاب مستقبل کی ایک عظیم علامت بھی ہے اور ضمانت بھی-

شرعی نقطۂ نظر: واضح رہے کہ اپنی تجارت کو شرعی حدود میں جاری رکھنے اور اسے شرعی طریقے سے آگے بڑھانے کے لیے ہم نے ملک کے ماہر مفتیان کرام کا ایک بورڈ بنایا ہے، جو اس تجارت کو شرعی طریقے جاری رکھنے کے لیے اپنے احکامات صادر کرے گا- کمپنی ان کے احکام کے کامل اتباع کی پابند عہد ہے- واضح رہے کہ بورڈ کمپنی کے طریقۂ کار پر ہمیشہ نظر رکھے گا- اگر اس بورڈ نے یہ محسوس کیا کہ کمپنی شرعی حدود سے ہٹ کر تجارت کر رہی ہے تو وہ فوراً ذرائع ابلاغ کے ذریعے عوام الناس کو اس کی اطلاع دے گا اور اپنی علیحدگی کا اعلان کر دے گا، کیونکہ ظاہر میں شرعی تجارت کا سائن بورڈ لگا کر غیر شرعی سود (رِبا) کو فروغ دینا ایک گناہ عظیم ہے اور کم از کم ہم سے اس کی توقع نہ کی جائے- اس چیز کو یقینی بنانے کے لیے کمپنی اپنے تمام فیلڈ ورکرس (Field Workers) نیز صارفین (Consumer) کو ان مفتیانِ کرام کے موبائل نمبر دستیاب کرائے گی-

ہمارے تجارتی شعبے: جیسا کہ ہم پہلے بھی وضاحت کر چکے ہیں کہ ہم نے اپنی تجارت کو محفوظ طریقے پر جاری رکھنے کے لیے انہی شعبوں میں اپنی پونجی لگائی ہے جو محفوظ بھی ہیں اور فوری طور پر نفع بخش بھی۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

(ا) زمین اور اپارٹمنٹ کی خرید و فروخت (Real Estate)

(۲) ویب انٹرنیٹ سرویسز مثلاً (Web)

(الف) Web Designing(ASP DOT NET)

(ب) Web Development(J-Query) (ج) Portal Development (Ajax)

(د) Sport & Games SQL Server 2008

(۳) انڈسٹریز Industries

(الف) تعاون (غیر سودی) Finance

(ب) خردہ بازاری Retail

(۴) مسافراتی سہوالیات Tour & Travels

(A) Inbound Tour(B) Domestic Tour(C) International Tour(D) Visa & Passport Asst(E) Railway Ticketing(F) International & Domestic Air Ticketing(G) Hotal Accomodation(H) Travel Insurance(K) Hajj and Umrah

(۵) علاوہ ازیں اسٹیٹ بینک نے ہم پر بھروسہ کرتے ہوئے ہمیں عوام الناس State Bank Mobicash کی سہولت فراہم کرنے کی ذمہ داری بھی سپرد کی ہے۔

واضح رہے کہ مذکورہ بالا تجارت کے پانچوں شعبوں میں ہمارا کام تیزی سے چل رہا ہے۔ ان کے علاوہ مندرجہ ذیل شعبوں میں داخلے کے قواعد شروع ہو چکے ہیں، ہمیں امید ہے کہ ہم ان شعبوں میں جلد ہی اپنا کام شروع کر دیں گے، ان شعبوں کی تفصیل حسب ذیل ہے:

چائے: کون نہیں جانتا کہ چائے موجودہ دور میں ہر ایک کی ضرورت بھی ہے اور پسند بھی، اس لیے ایسی چیز کی تجارت نفع بخش ہونے کا انکار کون کر سکتا ہے جو ہر ایک کی ضرورت بھی ہو اور پسند بھی۔ بازار کی اسی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ہم نے (Tea Production) چائے کی پتی کے کاروبار کو اپنی تجارت کا ایک اہم جز (Unit) بنایا ہے اور اس تجارت کو وسیع پیمانے پر کرنے کے لیے ہم نے کام شروع کر دیا ہے۔ آپ کو یہ جان کر یقیناً خوشی ہوگی کہ فی الوقت مصر (Egypt) سے ہم نے کام شروع کر دیا ہے۔ آپ کو یہ جان کر مزید خوشی ہوگی کہ فی الوقت مصر (Egypt) سری لنکا اور کینیا کے چائے تاجرین سے ہمارا معاہدہ تقریباً مکمل ہو چکا ہے۔

جھینگا (Prawn): گھریلو تجارت میں پراون کی اہمیت کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی غذائی اور معالجاتی اہمیت کے پیش نظر انٹرنیشنل مارکیٹ میں بھی اس کی ڈیمانڈ بہت زیادہ ہے، چونکہ اڑیسہ ساحل سمندر سے لگا ہوا ہندوستان کا ایک اہم صوبہ ہے اور مچھلی یا پراون کی تجارت کے لیے ایک مناسب جگہ ہے، اس لیے پراون کی تجارت کے لیے ہم امریکہ اور ہانگ کانگ کے تاجرین سے بھی ایک معاہدہ کر رہے ہیں اور ان شاءاللہ امروز فردا ہی میں ہم پراون کے ایک پورٹ کا کام بھی شروع کر دیں گے۔

مینگنیز (Manganese): مینگنیز وہ سیاہ دھات ہے، جس سے شیشہ اور اسٹیل تیار ہوتا ہے اور اس کی مانگ اس وقت انٹرنیشنل مارکیٹ میں بہت زیادہ ہے، چوں کہ مینگنیز ہندوستان میں زیادہ مقدار میں پایا جاتا ہے اور اس کا ایکسپورٹ اس وقت ایک نہایت ہی منافع بخش تجارت تصورت کیا جاتا ہے، سن شائن نے اس مارکیٹ میں بھی اپنے داخلے کے لیے قانونی قواعد پورے کر لیے ہیں، جب کہ عملاً اسے بروئے کار

لانے کی تیاری شروع ہو چکی ہے-

مذکورہ بالا تجارت کے تینوں شعبوں پر کام جلد ہو جائے گا- علاوہ ازیں سن شائن نے ہندوستان کے بڑے شہروں میں تازہ سبزی کی آن لائن فروخت کی تجویز بھی رکھی ہے جو Sunshine Fresh کے نام سے موسوم ہے- واضح رہے کہ حیدر آباد اور بھونیشور میں یہ سپلائی ہو چکی ہے، جبکہ دہلی، ممبئی احمد آباد اور چنئی وغیرہ میں اس کی تیاریاں چل رہی ہیں-

تجارتی اسکیم کی تفصیلات: ہماری ذکر کردہ تفصیلات سے اگر آپ مطمئن ہیں اور چاہتے ہیں کہ آپ میں عملاً شریک ہو کر شرعی طریقے پر اپنی پونجی (Capital) کو بڑھائیں تو آیئے اور اس تجارت میں عملاً شریک ہوں- افراد و اشخاص کی ضرورتوں کو سامنے رکھتے ہوئے ہم نے اپنی تجارت میں عملاً حصہ داری کے لیے کم از کم چھ مہینے کی مدت مقرر کی ہے، جب کہ زیادہ سے زیادہ مدت تاحین حیات (Life time) انوسمنٹ (Investment) ہے- تفصیل حسب ذیل ہے:

Plan☆Excitin☆Super Saver (Installment)☆Super Saver (Fised)☆Future Advance☆Child Education☆Monthly Income☆Life Time Return (Installment)☆Life Time Return (Fixed)

ہمارا طریقۂ کار: واضح رہے کہ تجارت میں شریک ہونے کا دو طریقے ہے: پہلا یہ کہ آپ خود اپنی پونجی مذکورہ بالا اسکیموں میں سے کسی بھی پسندیدہ اسکیم کے تحت لگائیں، جب کہ اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ آپ خود اپنی پونجی نہ لگا کر کسی دوسرے فرد کی پونجی اپنے واسطے سے لگوائیں- ایسی صورت میں آپ کو اس کا حق المحنت دیا جائے گا- کمپنی اور صارفین (Consumer) کے درمیان جو افراد فیلڈ ورکس کی حیثیت سے ہوتے ہیں، وہ حسب ذیل گروپ میں منقسم ہیں:

(ا) ایجنٹ

ٹیم لیڈر	Team Leader
کوآرڈی نیٹر	Co-ordinator
سلور اسٹار	Silver Star
گولڈ اسٹار	Gold Star
پلاٹینم اسٹار	Platinum Star
ڈائمنڈ اسٹار	Diamond Star
ایمارالڈ رسٹار	Emerald Star
روائل اسٹار	Royal Star
سن شائن امبیسڈر	Sunshine Ambassador

مذکورہ بالا ہر ایک کے لیے کمپنی کی جانب سے حق المحنت اور ذمہ داریوں کی تفصیل کے لیے ہماری ویب سائٹ ملاحظہ فرمائیں یا پھر ہم سے رابطہ کریں- تجارت میں شرکت کی مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں ہمارا انتظامی عملہ ہر وقت آپ کی خدمت کے لیے تیار ہے- اگر آپ اس کی ایجنسی لینا چاہتے ہیں تو آن لائن جوائننگ کر سکتے ہیں یا پھر کمپنی کے فارم پر اس کی رکنیت حاصل کر سکتے ہیں-

علمائے کرام کے لئے خصوصی پیکج: جو علمائے کرام ڈائرکٹ کمپنی سے وابستہ ہوئے بغیر اس کمپنی کی مدد کرنا چاہیں، وہ کمپنی کی جانب عوام الناس کی توجہ مبذول کرائیں، اپنے حلقۂ اثر میں اس کی ایجنسی قائم کرنے کے لوازمات پورے کریں، اس کمپنی سے لوگوں کو عملاً مربوط کریں- ایسے علما کے لیے مفت پیکج کمپنی کی طرف سے رکھا گیا ہے- تفصیل کے لیے ہمارے ڈائرکٹر سے رابطہ کریں-